

خدا بخش لائبریری برٹن

۴



خدا بخش اپن سٹل پبلک لائبریری نیٹن

خدا بخش لائبریری

جرنل



خدا بخش اورینٹل پبلیک لائبریری، پٹنہ

۶۱۹۷۸

مجلس ادارت

- قاضی عبد الودود (چیرمن)
- سید حسن عسکری
- افسر الدولہ فیاض الدین حیدر
- عابدہ رضا بیگم (اسکرپٹری)

جو تھا شمارہ : ۱۹۷۸ء

اس سہ ماہی مجلے میں انگریزی، اردو، فارسی یا عربی میں ایسے مضامین شائع ہوں گے جو خدا بخش لائبریری کے نادر مواد پر مبنی ہوں۔ یا لائبریری سے کسی نہ کسی قسم کا تعلق رکھتے ہوں۔

قیمت : پندرہ روپے

محبوب حسین نے اردو حصہ، پٹنہ لیتھو پریس رمنالین پٹنہ ۴۔ اور انگریزی حصہ تارا پریس، ترپولین، پٹنہ میں چھپوا کر خدا بخش لائبریری سے شائع کیا

فہرست

- میری تنقید — ایک بازویر از پروفیسر کلیم الدین احمد ۱
- رسالہ ادیب (فیروز آباد) — ایک جائزہ از ڈاکٹر عابد رضا بیدار ۷۳
- مراسلہ : درباره مکتوب ابوالکلام آزاد از جناب محمد یونس خالدي ۱۰۳
- تصحیح و اضافہ : دیوان حافظ از جناب قاضی عبدالودود ۱۰۴
- مطبوعات جدیدہ : فرہنگ آصفیہ (۳) از جناب قاضی عبدالودود ۱۰۵
- خدا بخش لائبریری کو معنیفین کے تحفے (مطبوعات تازہ) ۱۱۳
- نوادار : لائبریری کے وزیر رجسٹر سے ماخوذ عکسی تحریریں ۱۱۵
- [سی۔ بی۔ این۔ سائنس دان)؛ جگدیش چندریچن (سائنس دان)؛
جان سائمن (چیرمین سائمن کمیشن)؛ اور مارٹین وھیملر (ماہر آثار قدیمہ)]
-
- اسلامی تقویم کی بازیافت (انگریزی) از ڈاکٹر ہاشم امیر علی ۱

ہمارے مقالہ نگار

پروفیسر کلیم الدین احمد (بی۔ اے (کینڈب) سری کرشنا پوری پٹنہ (پ ۱۹۰۹ء)
(تفصیل کے لئے ص ۷۱-۷۲)

ڈاکٹر ہاشم امیر علی ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی، حیدر آباد (پ ۱۹۰۳ء)
— دیہی عمرانیات پر شکاگو یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی؛ جامعہ قیہ اسلامیہ دیہی انسٹیٹیوٹ کے
سابق ڈائریکٹر؛ نظام حیدر آباد کے نجی اور مذہبی اوقاف کے متولی؛ قرآن اور عمرانیات
پر متعدد کتابوں کے مولف، مثلاً: قرآن؛ طلبہ کے لئے ایک تعارف (انگریزی)؛
نزولی تفسیر: قرآن مجید کا نزولی ترجیحاً ترجمہ (انگریزی)؛ میوات کے یو لوگ (انگریزی)
جناب محمد یونس خالدي

— سکریٹری، آزاد میموریل اکادمی، بشیشتر ناتھ روڈ، لکھنؤ۔

بقیہ کے لئے ملاحظہ ہو: 'ہزنل' ۱، ۱۹۷۷ء

میری تنقید

ایک باز دید

کلیم الدین احمد

خدا بخش توسیعی خطبات — ۱۹۷۸ء

سال طباعت — ۱۹۷۸ء

خدا بخش لائبریری میں پچھلے چند برسوں سے خدا بخش سالانہ خطبات کا ایک سلسلہ قائم ہے۔ ۱۹۷۷ء سے خدا بخش توسیعی خطبات کا ایک سلسلہ مزید شروع ہوا ہے جس میں علوم اسلامیہ کے علاوہ اردو ادب اور تالیف ہند کے فاضلوں کے لکچر ہوتے ہیں۔ ۱۹۷۸ء میں اس کے لئے پروفیسر کلیم الدین احمد منتخب ہوئے۔



گالز وردی نے لکھا ہے کہ کسی جاگ لوگ نہایت آرام و سکون کی زندگی بسر کرتے تھے کہ ایک صاحب کو خط سوار ہوا۔ آپ نے ایک لالٹین لے کر شہر کی سڑکوں پر اور گلی کو چوں میں ٹھلنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سڑکوں اور گلیوں پر ہر جگہ گندگیاں نظر آنے لگیں۔ اس حرکت سے لوگ بہت خفا ہوئے اور خفا ہونا فطری تھا۔ جہاں انہیں صفائی نظر آتی تھی اب گندگی نظر آنے لگی۔ حُسن کی جگہ بد نمائی نے لی جس شہر کو وہ دنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت شہر سمجھتے تھے وہ بد نمائی اور گندگی کا گہوارہ نکلا۔ ہاں تو ان لوگوں کا خفا ہونا برحق تھا۔ بھلا یہ کسی سمجھ دار شخص کا کام تھا کہ اس حسین اور مصفا شہر میں گندگی پھیلائے۔ اس کو پکڑ کر لوگ قاضی کے پاس لے گئے، تو اقبال جرم کے عوض فرمانے لگے۔ ”میں بے قصور ہوں اور یہ لالٹین بھی بے قصور ہے۔ میں تو صرف لالٹین لے کر شہر میں چکر لگاتا ہوں۔ لالٹین کی روشنی سڑکوں پر پڑتی ہے، تاریک گوشوں کو روشن کرتی ہے۔ اب اس روشنی میں گندگیاں جو پہلے سے موجود ہیں نظر آنے لگیں تو اس میں میرا یا اس لالٹین کا کیا قصور ہے۔“ تنقید اسی قسم کی لالٹین ہے۔ اس کی روشنی شہر ادب کے قصروں، گلستانوں اور اس کی سڑکوں، گلی کو چوں پر پڑتی ہے اب اگر اس روشنی میں گلستاں خار زار ٹھہرے اور قصر کھنڈر نظر آئے اور سڑکوں اور گلی کو چوں میں گندگیاں نظر آنے لگیں تو قصور شہر ادب کا ہے یا تنقیدی روشنی کا۔ میری تنقید اسی قسم کی لالٹین ہے۔

بہر کیف میری تنقید کی ابتدا ’گل نغمہ‘ کے مقدمے سے ہوئی۔ ’گل نغمہ‘ میرے والد کی نظموں کا مجموعہ ہے۔

میں اسکول ہی میں تھا جب میں نے ان نظموں کو پڑھا تھا اور نقل بھی کر لیا تھا۔ جب میں انگلینڈ گیا تو یہ نظمیں میرے ساتھ تھیں۔ میں نے چاہا تھا کہ ان نظموں کو لندن سے شائع کر دوں۔ چنانچہ میں نے Foyles (لندن) کے مشہور کتب فروش اور پبلشر، کو ان نظموں کا مسودہ دکھایا تھا۔ لیکن بعض وجوہوں سے میں انہیں شائع نہ کر سکا۔ لیکن یہ نظمیں میری ہمدرد ہیں۔ پھر ۱۹۳۸ء میں اس طرف دھیان گیا۔ میں نے ان نظموں کی از سر نو ترتیب کی، ایک بسیط مقدمہ لکھا اور اشارات کا اضافہ کیا اور ان سب چیزوں کو کاتب کے حوالہ کر دیا۔

ان کو کاتب کے حوالہ کر کے میں نے ”اردو شاعری پر ایک نظر“ کی ابتدا کی۔ ادھر نظموں کی کتابت ختم ہوئی اور ادھر ”اردو شاعری کی کتابت شروع ہوئی۔ اسی لئے ”گل نغمہ“ ۱۹۳۹ء میں نکلی اور اردو شاعری ”ادائل“ ۱۹۴۰ء میں۔ ”گل نغمہ“ کے مقدمے پر بہت کچھ چیمگوئیاں ہوئیں۔ حالانکہ مقدمہ بالکل معروضی تھا۔ اس مقدمے کے دو حصے تھے۔ ایک اردو شاعری سے متعلق تھا اور دوسرا ان نظموں سے۔ دونوں حصے معرض بحث ہے اور بہت سی باتیں جو کبھی گئیں وہ غیر متعلق تھیں۔ مثلاً یہ کہ میں انگریزی کا پروفیسر ہوں مجھے اردو ادب کے کیا واسطہ ہے میں اردو کتب پڑھی، مجھے اردو شاعری کا علم نہیں؛ مجھے ان نظموں پر مقدمہ خود نہیں لکھنا چاہئے تھا، کسی سے لکھو لینا چاہئے تھا۔

مجھے ان نظموں سے اس لئے دلچسپی تھی کہ میرے خیال میں وہ صحیح معنوں میں نظمیں تھیں۔ ان میں تسلسل تھا، ارتقائے خیال تھا، ابتدا و وسط اور انتہا میں ربط تھا یعنی ان میں وہی چیزیں تھیں جو مغربی نظموں کا طرہ امتیاز ہیں اور پھر خلوص بھی۔ یہ نظمیں انگریزی نظموں کے زیر اثر لکھی گئی تھیں اور زبانی لغزشوں کے باوجود یہ نظمیں تھیں، مسلسل غزلیں نہ تھیں، غیر مربوط نظمیں نہ تھیں۔ پھر یہ نظمیں بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں لکھی گئی تھیں۔ جب انگریزی کے زیر اثر نظمیں لکھی جانے لگی تھیں لیکن ان میں عموماً نظم کی امتیازی خصوصیتیں نہ تھیں اور یہ ان نظموں کی تاریخی اہمیت ہے اور اگر آپ تعصب کی عینک اتار کر ان نظموں کو پڑھیں۔۔۔ وہ نظمیں جو گل نغمہ کے پہلے حصہ رقصِ بسل میں ہیں تو آپ کو کبھی کبھار زبانی لغزشوں، محاوروں کی غلطی کے باوجود نظم کا صحیح پیکر ملے گا اور جن نے ”اپنی تلاش میں“ دیکھی ہے اس نے یہ ضرور محسوس کیا ہوگا کہ میں نے اپنے خاندان اور اپنے رشتہ داروں سے متعلق نہایت سادہ گوئی سے کام لیا ہے۔

عمود علی خاں عبانے لکھا ہے۔ ”انہوں نے اپنی تلاش میں“ جس ہمت، جرأت اور ہلباکی کے ساتھ جو کچھ اپنے خاندان اور اپنے ماحول کے متعلق لکھا ہے اسے ان کا شدید سے شدید مخالف بھی شاید لکھنے سے گریز کرتا“ قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا ”گل نغمہ“ کی اشاعت کے وقت یہ ہمت، جرأت اور ہلباکی ہوا ہو گئی تھیں۔ آج میں نے اس مقدمے کا پہلا حصہ تقریباً ۲۷ سال کے بعد لکھا ہے حصہ ۲، ۳ صفحوں پر مشتمل ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ جو کچھ میں نے ان چند صفحوں میں کہا تھا اسی کی تفسیر و تشریح میری کتاب میں، خصوصاً ”اردو شاعری“، ”اردو تنقید اور علی تنقید میں اور مجھے خوشی ہوئی کہ میں ایک صراطِ مستقیم پر چلتا رہا، کبھی اس سے سرو تجاوز نہیں کیا۔ چند مثالوں سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔ دیکھئے

اسی مقدمے میں وہ رسول عالم جلد میرے قلم سے نکلا تھا: غزل نیم وحشی صنف شاعری ہے، اس پر ایک شور و غوغا اٹھا تھا گو یا میری زبان سے کفر کا جملہ نکل گیا تھا اور آج بھی یہ جملہ کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔ میں نے چند جملوں میں اس کی تشریح بھی کر دی تھی: وہ جملے سنئے:

”رابط، اتفاق، تکمیل یہی تہذیب کا سنگ بنیاد ہیں اور ان سے غزل بالکل میرا ہے۔ ہر شعر مکمل ضرور ہوتا ہے لیکن غزل میں چند مختلف المعنی اشعار اکٹھا کر دیئے جاتے ہیں جن سے یہ اثر زائل ہو جاتا ہے اور ذہن و ادراک پر کسی مکمل تجربے کی تصویر نقش نہیں ہوتی بلکہ چند بے ربط نقوش مرتب ہو جاتے ہیں جن سے تہذیب یافتہ دماغ کو لطف و تربیت یافتہ تجزیل کو سرور ملتا ہے۔“

ذرا موضوع سے ہٹ کر میں یہ بتا دوں کہ میں نے یہ جملہ تیس سال کی عمر میں لکھا۔ میں ان لکھنے والوں میں نہیں ہوں جو ”کاماتا اور لے دوڑی“ کہے جانے کے مستحق ہیں۔ میں نے جو کچھ لکھا وہ وسیع مطالعہ اور پرسوں کے غور و فکر کے بعد۔ یہ خیال بھی درست نہیں کہ میری مشرقی ادب کے واقفیت نہیں ہونے کے برابر تھی جب مجھے انگلستان بھیج دیا گیا اور اسی لئے مغربی چھاپ اس قدر گہری پڑی۔ میں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ لکھنے سے پہلے میں ایک شہادتوں کا محضر پیش کروں جن میں میرے qualifications کی تفصیل ہو۔ جس نے اپنی تلاش میں، پڑھی ہے وہ کم سے کم یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ مشرقی ادب میری واقفیت نہیں ہونے کے برابر تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ بچپن سے مشرقی ادب میرا اور صنایع گھونار ہا اور اب بھی ہے، لیکن اسے کیا کچھ کہ قبول اقبال

مشکل ہے کہ اک بندہ حق بین و حق اندیش خاشاک کے تودے کو کہے کوہ دماوند

آدم بر سر مطلب۔ تو غزل نیم وحشی صنف شاعری ہے۔ اس اجمال کی تفصیل میں نے اردو شاعری کے تیسرے ادیشن میں کر دی ہے لیکن مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ جملہ پڑھ کر لوگ ایسا بدک جاتے ہیں کہ وہ آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اس صورت حال کا الزام بھی بر سر غزل ہے۔ غزل نے اقدا طبعیت ایسی بنادی ہے کہ ایک شعر، ایک مصرع، ایک فقرے پر ہی توجہ مرکوز ہو جاتی ہے اور آگے نہیں بڑھ پاتی۔ لیکن تنقید غزل نہیں یہاں توجہ کو آگے بڑھنا ہے۔ یہ سوچنا ہے کہ غزل نیم وحشی صنف شاعری ہے تو کیوں ہے اور نیم وحشی کا کیا مفہوم ہے۔

میں اکثر سوچتا ہوں کہ اگر میں نے ساری باتیں کہہ دی ہوتیں اور نیم وحشی کا لفظ استعمال نہ کیا ہوتا تو رد عمل کیا ہوتا۔ آخر میں نے کوئی نئی بات نہیں کہی تھی۔ حالی نے کہا تھا: ”غزل میں حبیب کا معلوم ہے

اگر دُک مجھ سے پوچھی کرتی۔ میں کہ بات یہ کہ غزل سے متعلق کیا رائے ہے۔ مستور صاحب نے بھی کسی قید محو سے نہ ہی نہ غزلت میں بادِ امدت نہیں رہی۔ دوسرے حضرات سمجھتے ہیں کہ غزل کو پڑھنے میں نے اپنی رائے بدل لی ہوگی۔ جہاں تک مستور صاحب کی بات کا سوال ہے۔ میں نے غزلوں کی محافظت نہیں کی تھی صنفِ غزل کی خامیوں پر روشنی ڈالی تھی اور اردو شاعری کے تیسرے ادب میں میں نے اس تفصیل سے اس نظر پر پیش کر دیا ہے کہ اس کے اعادے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ تب دوسرے حضرات تو مجھے اں کی معصومیت پر سنہی بھی آتی ہے اور دانا بھی۔ مگر میں غزل بدل گئے اور بدلے آئے ہیں لیکن غزل نہیں بدلے گئے۔ آج قبل کی غزلوں پر لکھے ہوئے کیا تھا کہ ان غزلوں میں مضامین نئے ہیں اور جو کہ اقبال کے خیالات ایک پنج پر تھے ہیں اس سے اس میں تسلسل نظر آتا ہے۔ دورِ غزل کی غزلوں میں مضامین نئے ہیں اور کبھی کبھار غزلوں میں تسلسل بھی نظر آتا ہے۔ لیکن حال آج بھی غزل ہے۔ اس کی صنفی خصوصیت وہی ہیں جو ایک زمانہ میں تھیں۔ اس سے میں بھی وہی صنفی نامبر رہیں۔ یعنی آج بھی غزل نیمِ دشتی۔ صنفِ غزل ہے۔

میں نے خاریں کی اشک شوق کے اکڑنے پر سنا ہوا دنگ یا حوٹہ بھی دیا ہے۔ وہ نہیں کہتا
سنا غار میں نہیں لیکن اس کے غلوں کو بھی صحت ہے۔ وہ غنیمت و خوشی کہہ ہے اور اہمیت ہے۔ اس
اور اس پر کوئی شور و غوغا نہیں مچا۔ کیونکہ وہاں غلو۔ دنگ کی عادت ہے وہاں غلوں کی رہنمائی کر کے رہتا ہے
نہیں آتی ہے۔ وہ ایک جیسے کو قتل سے بچا کر کے اس پر دانا دیر نہیں چھانے۔ پھر وہ اس سے اس سے

کہ جس میں کچھ نہ ہے۔ اسے بہت برا کہہ دیتے ہیں۔ گرتے ہوئے اور نہ گرتے پھر میں نے دیکھا کہ جس کی
 ایک سول کے رہے۔ جو کہ وہ تھا کہ میں نے اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو شعر کو نہ دیکھا تھا۔
 کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔
 کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔
 کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔
 کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔

ہر کیفیت جیسا کہ میں نے کہا ہے مخالفت کے باوجود میری باتیں بالکل لگتی ہیں۔ میں دوست ہیں
 پیش کرتا ہوں :

یہ بھی پہلی مثال اب دوسری مثال ملاحظہ ہو :
 کی تلقین کرنے لگتا ہے :

یہ بھی پہلی مثال اب دوسری مثال ملاحظہ ہو :

یہ بھی پہلی مثال اب دوسری مثال ملاحظہ ہو :
 کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔
 کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔
 کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔
 کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔
 کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔

یہ بھی پہلی مثال اب دوسری مثال ملاحظہ ہو :
 کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔
 کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔
 کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔
 کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔
 کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔

یہ بھی پہلی مثال اب دوسری مثال ملاحظہ ہو :
 کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔
 کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔
 کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔
 کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔
 کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔ کہ وہ ہے۔ اس کو نہ دیکھا تھا۔

”ہر شعر بجائے خود مکمل ہو لیکن اس کی تکمیل بھی نامکمل ہے۔ اگر نظم کو مجسمہ سے تشبیہ دی جائے تو شعر
خود کی مثال محض ایک غزل کی سی ہے۔ مجسمہ مکمل ہے۔ عضوizat خود مکمل ہو لیکن مجسمے کے مقابلے میں نامکمل ہے۔
شعر مفرد بھی مثل غزل تا۔۔۔ کا نیم وحشی عنصر ہے۔“

یہ بات کسی قدر وضاحت سے اردو شاعری میں کہی گئی ہے :

”غزل سے قطع نظر اگر ہر شعر کو ایک مکمل نظم تصور کیا جائے تو شعر پر بھی نیم وحشی صنف شاعری ہونے
کا الزام عائد ہو گا۔۔۔ وحشی اپنے ہر شعر میں کسی وقتی احساس کی ترجمانی کرتا ہے اور اس ترجمانی سے اس کے
تجانیاتی ذوق کی تسکین ہو جاتی ہے۔۔۔ وہ نہ غور و فکر کرتا ہے اور نہ غور و فکر اس کے بس کی بات ہوتی
ہے۔ وہ محض اضطراب کی کیفیت مجبور ہو کر اس سے فوری نجات چاہتا ہے اور یہ نجات وہ شعر کی شکل میں حاصل
کرتا ہے۔۔۔ اس لئے اگر شعر مفرد و نظم کی طرح مکمل سمجھا جائے اور اس کو اپنے تجانیاتی ذوق کی تسکین
الہ بنایا جائے تو یہ بھی ایک نیم وحشی صنف شاعری ہو گا اور کسی تہذیب یافتہ دماغ کو اس سے پوری تسکین نہیں ملے گی۔“
کہا جاتا ہے کہ ہر شعر میں ایک جہان معانی پنہاں ہوتا ہے اس چھوٹے سے کونڈ میں بحر ذخار موجیں
رات۔۔۔ میں نے غالب کے آرٹ کی یہ خصوصیت بیان کی ہے :

”غالب کو شش کرتے ہیں کہ ایک شعر میں مختلف خیالات و جذبات یا ایک ہی خیال، ایک ہی جذبہ
کے مختلف پہلوؤں کی سمیٹ لائیں۔ اس ارادے میں جامعیت کے ساتھ کامیابی ممکن نہیں لیکن وہ ایک
تجربہ قبول کرتے ہیں جس سے مشکل آسان ہو جاتی ہے چند خیالات تو پوری طرح ایک شعر میں نظم نہیں ہو سکتے لیکن
غالب ایک بات کو کچھ سے طرح بیان کرتے ہیں کہ دوسری باتوں کی طرح توجہ جا پڑتی ہے اور شعر پڑھ کر زبان
ال دوسری باتوں کی جستجو میں لگ جاتا ہے گویا شہرستان خیر کا دروازہ کھل جاتا ہے اور غالب ہر شعر اس
دروازہ کی کلید ہے۔ اگر آپ دریا کے کنارے کھڑے ہو کر دریا کا نظارہ کیجئے تو ممکن ہے کہ دریا کی سطح پر آب و
ہوا سکین آئے۔ پھر ایک پتھر پڑا اٹھا کر پھینک دیئے تو سطح دریا پر آئیں اور نمودار ہوگی۔ یہ لہر دوسری
لہروں کو بیدار کرے گی۔ لہروں کا دائرہ بڑھتا جائے گا۔ ایک بھورلی سی کیفیت نمایاں ہوگی اور یہ لہر
پھینکتے پھینکتے نظروں سے غائب ہو جائیں گی۔ غالب کے اشعار دریا کی تخیل میں اسی قسم کی لہریں سید کرنے ہیں۔“

مجھے بھی کبھار ایسا لگتا ہے کہ کسی نے اردو شاعری پڑھی نہیں۔ بتدا ضرور کی لیکن یہ تبد پڑھتے

ہی کہ غزل نیم وحشی صنف شاعری ہے قارئین کچھ اتنے غصہ نہ ہو جاتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ فوراً بند کر کے صنف

بارگاہ دیتے ہیں در پھر سے کبھی نہ پڑھنے کی قسم کھاتے ہیں غزل کے شعروں کی عزت ایدیت دلفریب کی ہون
 تہہ کویر جوتہ ہے لیکن کسی نے تباہی دہی دفت کت کی ہے۔ گو یہ خوشترستن خیال کا دروازہ کھل جاتا ہے
 دوسرے دروازے کا کھید ہے۔۔۔ اشعار دریا کے تخیل میں سی قسم کی ہدیہ پیدا کرتے ہیں "یہ سب بھی
 یکن میں شعر کو نظم کہتے ہوں۔ شعر چوڑی پر قفل ٹوٹا کھٹے پافن ہو شعر miniature painting
 ہو لیکن شعر نظم نہیں۔

ایک۔ میں میگزین گیا ہوا تھا۔ خواجہ منظور حسین نے مجھے یہ پڑھوایا، پھر چپ کے بعد نے مارتا
 میں چپ قندق کرنے لگے۔ پھر دی شعرو غزل کی بات نکل آئی۔ کہنے لگے ایک شعر کی ختموں پر جوردت۔ اب شعر
 میں اسے معنی ہوتا ہے کہ آپ کو کسی غلوں میں نہیں میں گے۔ میں نے کہا۔ خواجہ منظور صاحب یہ تو انگریزی کے
 پر ذمہ سہریں دروازہ کو نظم A slumber did my spirit seal کو نہ جانے آپ کتنی بار پڑھ
 اور پڑھا، ہوگا جو معانی اس میں ہیں وہ آپ دوسروں میں کہہ دیجئے۔ آپ سب حضرات جانتے ہوں گے
 وہ نظم یہ ہے :

A slumber did my spirit seal,

I had no human fears,

She seemed a thing that could not feel

The touch of earthly years

No motion has she now, no force;

She neither hears nor sees;

Roll'd round in earth's diurnal course

With rocks and stones and trees.

خواجہ منظور صاحب تو غموش رہے لیکن یہ سلائے عام ہیں۔ یاد ان نکتہ داں ہوں یا نہ ہوں۔

اسی طرح میں نے اردو شاعری میں یول آئین کی Aricthe تھیونیس کوئی ایر کی Aler

niere Frulla اور کسی پر دوم کی Aler Aler کا خوالہ دیا ہے یہ نظمیں بھی دوسروں میں سما

نہیں سکتیں مگر یہ بہت سادہ ہیں، ان میں زیادہ پیچیدگی نہیں، محشر خیال نہیں، اور اگر کہا جائے کہ
 کئیس کی 'ode to a Nightingale' کو یا شیلی کی 'ode to the west wind' کو
 دماغوں میں کہہ دیجئے تو پھر کیا ہو۔ 'گنجینہ' معانی، محشر خیال، شعر کی نظموں پر بھاری ہے۔ یہ سب معانی
 کیجئے گا ربانی حق خیر ہے اور کچھ نہیں۔ شیسپر کی مشہور سطر یہ ہیں :

Tomorrow and tomorrow and tomorrow
 creeps in this petty pace from day to day
 To the last syllable of recorded time;
 And all our yesterdays have lighted fools
 The way to dusty death. out, out, brief candle!
 Life's a walking shadow, a poor player
 That struts and frets his hour upon the stage
 And then is heard no more. It is a tale
 Told by an idiot full of sound and fury
 Signifying nothing.

پہلے حضرت تھوڑے بھی ہیں، انگریزی اور اردو زبانوں سے جاننا ہی بھی سکتے ہیں۔ اگر آپ
 ان معانی کو دماغوں میں بیان کر دیں تو میں اپنا اعتراض واپس لے لوں۔ یہ ممکن نہیں۔ اس لئے مجھے انبال
 کے خطوط میں تعریف یک لفظ کہنے دیجئے، 'دعویٰ بجا بھی کریں کوئی تو لازم ہے شعور، اور مجھے سنیت
 کے لفظوں میں یہ بھی کہنے دیجئے۔ دماغوں میں تکمیل نہیں۔ وضاحت نہیں، وہ چھوٹے چھوٹے دھڑ میں جو
 ٹوٹے ہوئے بنائے گئے ہیں اس لئے کہ پڑھنے والے بازو دوں اور انگوٹوں کی کمی پورا کریں۔ ان دو
 مغزوں میں سانس کے لائق جو چیزیں ہیں وہ یہ ہیں : فقرہ کی معنی خیزی، خوش و احساس کی تیز چپ
 شاہد کے کمرؤں کا انبار کبھی کبھار نور کی جھلک اور شعوریت کا حسن یہ سب ہیں۔ کہیں ایسی کوئی
 چیز نہیں جو خاص حسن کے روح میں جذب ہو کر کھمبائی ہو، جو خود میں کے۔ تھوڑے کھمبے کو پہنچاں لگی ہو، تو سادہ
 اور قطعی طور پر درست ہو۔

نہ میں شعر کو نظم نہیں کہہ سکتا۔ میں نے کل غزل کے مقدمے میں لکھا تھا: "نہ کسی درود کی
 کسی تصویر دخی یا کسی منہ بردہ خاقی کا کتف کز چہ ہمت کیس کی نظم بعد کیس عزت یک صبر
 یک خیال ہو کہ نہیں کھینچتی۔ ایک جذبہ دوسرے جذبات کو بھارتا ہے، ایک خیال دوسرے خیالات کی
 قریب کرتا ہے، ایک منشا ہی دوسرے نقوش کی یاد تازہ کرتا ہے، ایک لفظ دوسرے لفظوں کی
 مقدس شش کرتا ہے۔" میں خود جو بہ شاعر ایک نظم میں جیت کرتا ہے وہ مختلف احساس و تصورات
 و خیال مختلف نقوش و الفاظ کا گلدستہ ہوتا ہے۔ یعنی نظم میں (۱) تجربہ پیچیدہ ہوتا ہے مختلف
 جذبات و خیالات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ (۲) اس میں تقویت بھر پور ہوتے ہیں (۳) بہترین الفاظ کی بہترین
 ترتیب ہوتی ہے (۴) ارتقاے خیال ہوتا ہے، یعنی ابتدا، وسط اور انتہا میں ربط کامل ہوتا ہے۔
 (۵) حس نثر ہوتا ہے۔ یہ خصوصیتیں نہ تو غزل میں ملتی ہیں اور نہ شعر میں کہا جاتا ہے کہ ایک لفظ بہ وقت
 تصور کیجئے، تو ساری شاعریاں سان موجاں کی، سارے غزلیات میں ثابت ہوں گے اور کسی تنقید کی
 گنجائش باقی نہ رہے گی۔ یہ جانست میں یہی جو دو تھوڑی موزوں ردیم کی مثنوی نہ ہونی اور نہ اداسی ہونی
 اور نہ کون ردیم نہ تہدہ مثنوی، مثنوی یا نظم کی طرف توجہ کرتا۔ اور یہ بھی کہ چاہتا ہے کہ اس پر
 اور داخل کرنے سے پہلے ہندوستان کے سماجی، سیاسی، معاشی، روایتی، لسانی وغیرہ و غیرہ اس منظر
 کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ یہ سب غیر متعلق باتیں ہیں غزل فارسی سے اردو میں آئی جیسے قصیدہ، ردیم، وری
 فصیح آئیں۔ یہ غزل اردو سے کل ان آسانی تھی کہ انہوں نے آسان ترین صنف کو اپنا یا کسی پرینا
 سرا ڈھنی۔ یہ صنف کو اپنا اور خود اپنی سرایہ تھا وہ دوسری صنفوں کے لئے نہ پائی تھا۔

غزل سے انھیں ردو نامی میں نہ صرف چند صفحے ہیں۔ پہلے حصے میں تفصیل سے چوتھا ذکر ہے:
 "نہ اسود۔ درود ایک صنف و آواز۔ ذوق، غائب دوسری طرف اور ان شعرا کی بھر پور تعریف بھی
 کی ہے، جس نے نہ ہمتی تھے۔ یہ فرد ہے کہ جہاں میں نے ان کی خوبیاں بیان کیا ہے وہاں ان کی خامیوں پر
 محدود پر بھی روشنی ڈالی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ *Potentiality* یہ شعرا بزرگ شعرا ہو سکتے
 تھے اگر وہ انھیں لکھتے۔ بھر میں نے ان کے شعروں کے حسن، ان کی لطافت، ان کی زود آتری پر تنقید
 سے لکھ ہے اگر میں سمجھتا کہ یہ صنف، بالکل مہل اور تفسیر ادوات ہے وہاں اپنا وقت ضائع نہ کرتا۔
 بعد میں نے اس قسم کی شاعری کی ترک دامانی کا گلہ کیا ہے۔ جبکہ کہ غائب نے کہا ہے کچھ اچھے دوست۔"

بھ ایک بات یہ بھی ہے کہ میں نے ایک حصہ قطعہ کے لئے وقف کر دیا ہے اور اس کے امکانات
 اور حسن کی تفصیل وصفِ حمت کی ہے۔ غالب کے مشہور قطعہ جس کا پہلا مصرع ہے: "لے آؤ وہ وارڈن بسطہ جو پہلے"
 تفصیلی بحرِ بربیع کے سونچوں کی وصفِ حمت کی ہے اور قطعہ کے ساتھ مسلسل غزل کے حسن کی طرف بھی اشارہ
 کیا ہے۔ دو غزلوں کا کچھ تفصیل سے تجزیہ کیا ہے ایک غزل آتش کی ہے: "شب وصل تھا چاندنی کا سماں تھا"
 اور دوسری نظیر کمرہ بدی کی: "یہ جواہر خانہ دنیا جو ہے با آب و تاب"۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میں نے
 ان کے ساتھ انصاف کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور میں نے انصافی نہیں کی ہے۔

"اُردو ادبی تاریخ" میں غزل کے علاوہ انصافی بھی ہیں۔ قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، ان کی
 بھی منفی خامیوں پر روشنی ڈالی ہے اور نازندہ شعرا پر تفصیل سے لکھا ہے لیکن ان باتوں کے خلاف اتنا شدید
 رد عمل نہیں ہوا جتنا غزل پر ایک جملہ لکھ دینے سے۔ مرثیہ سے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے اس کی کچھ شکایت
 لیتے ہوئے ہے، لیکن پھر بھی ان شکایتوں کا وہ جوہر نہیں جو غزلوں سے متعلق ہے حالانکہ مجھے خیال تھا کہ اس کے
 خلاف زیادہ شدید رد عمل ہو گا کیونکہ یہاں مذہبی جذبات کا سوال تھا، مذہبی جذبات کو ٹھیس لگنے کا
 سون تھا اور میں نے اس کی طرف اتنا زیادہ بھی کیا تھا اور کوشش کی تھی کہ مرثیہ کی تعریف خوبوں اور
 خامیوں سے حمت کی جائے اور شاید میں اس میں کامیاب بھی ہوا لیکن میں نے مرثیہ کی دو اہم منفی خامیوں
 کو واضح کیا۔ ایک تو یہ کہ مرثیہ Elegy بھی ہے اور پھر رزمیہ یعنی Epic بھی اس لئے اسے ایک
 نفوسِ خطبے سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ یعنی جسے انگریزی میں کہتے ہیں *as falls between*
the two sides۔ تو یہ خالص مرثیہ ہوتا ہے اور نہ خالص رزمیہ۔ یہ نہیں کہ رزمیہ میں مرثیہ کی جگہ نہیں اور
 میں نے فردوسی کے شاہنامہ کا حوالہ بھی دیا تھا اور کچھ اقتباسات بھی پیش کئے تھے، لیکن صنفی طور پر مرثیہ
 دل و آخیز مرثیہ ہے، اس کو نہ بدست رزمیہ کا رنگ دیا گیا ہے اور میں نے یہ بھی کہا تھا کہ نہ تو دیر و نہ
 نرس میں یہ تعمیری صلاحیت تھی کہ وہ دافعا کرے اور ایک کمن نظم کی صورت میں پیش کریں۔ تیرہ دوش
 کرتے بھی تو کامیاب نہ ہوتے کیونکہ وہ Epic کی *architectonics* سے واقف نہ تھے۔ ابھی
 کچھ دن ہوئے میں نے پروفیسر شبیر الحسن صاحب سے دریافت کیا تھا کہ کسی نے یہ کوشش کی ہے کہ انیس کے
 بحرِ بحرِ بحر کو ترتیب دے کر دافعا کرے اور انفس دکھانے کی کوشش کریں۔ ان کا جواب لفظی میں
 تھا۔ عرصہ ہوا میں نے انیس کے مثنیوں کوئے کریم بحرِ بحر کو *lack of* کر دیا تھا۔ ارادہ تھا اس

کسی دور نیلے کی ترتیب دی جائے لیکن میں اپنی دوسری صفہ و فیتبوں کی وجہ سے اس دور کو کم سے کم کر رہا ہوں۔
 اب وہ مہینے جن پر میں نے نشان لگائے تھے میرے پاس نہیں ہے۔ بہر کیف جیسا کہ میں کہتا ہوں۔ یہ قدر دو
 ترقی کے سببوں کے خلاف زیادہ تدریجاً رد عمل نہیں ہو سکتا۔ یہ تسلیم ضروری ہے کہ اس دور میں
 صرف کوئی بشارت، قصیدہ، مثنوی، مرتبہ بھی پرکھ کر چینی کی اور قصیدہ، مثنوی، مرتبہ لکھ دوں۔ یہ
 بھی بھڑکائیوں میں تدریجاً رد عمل ہو رہی تھی۔ مگر کسی نے میرے عزم و جدت کو دیکھا۔
 دوسرا دور بھی کا دوسرا حصہ بھی برقی کا سبب ہوا۔ یہاں اب بھی اقبال جو شاعر تھے
 پسندیدہ اور بڑے محنت تھے اور ان کے ساتھ بھی میری دو بڑی چیزیں جو عمر کے ساتھ سرگرمی مقبول
 نظم تھی یہاں میں نے کہا کہ اس نظم میں شعریت نہیں اور چھٹی شری بھی نہیں اور کوئی کچھ بوجھ بھی نہیں اس
 دور کے غلبہ است و غلبہ میں لکھی۔ ذوق نے بھی کچھ کہا۔ آپ اس کی تائید ہی کر دیں۔ وہ بے رنگی یا دھوکہ
 دے گا۔ اس دور میں بہت بڑی بات کہہ کر دے گا۔ اس دور میں بہت بڑی بات کہہ کر دے گا۔
 میری رائے یہ ہے جو تالیف میں نے دی تھی ان میں ترتیب نہیں تھی۔ اس طرح میں نے کہا تھا اس دور میں
 یہ نظمیں لکھی گئیں اور ان کے خیال بھی فطری نہیں ارادے سے۔ مثنوی میں جس کی میں نہیں لکھتے
 اس کی بڑی بات کہہ کر دے گا۔ اس کی غبارت بڑی ہی ہے۔ انہیں اب دوسرے دور سے
 ہیں۔ یہاں یہاں لکھ کر دے گا۔ میرا رد و سلف میں بھی مناسب ہیں یہاں تک کہ اس کے خلاف
 میری رائے میں بھی اس دور میں دو چیزیں دو بندوں میں بھی وہ ربط و تسلسل نہیں جو ہونا چاہیے اور میں نے
 یہ بات کہہ کر دے گا۔ یہ بدھتیں کئے تھے اور کہا تھا کہ ان چار بندوں اور ان کے شعر غزلوں کی ترتیب میں
 رد و بدل نہیں ہے جو شری میں نے دی تھی سے ان بھی اور دوسری میں آپ بڑھ گئے ہیں اور فیصلہ کرتے
 ہیں کہ میں نے جو بات کہی تھی وہ صحیح ہے یا غلط۔ غالباً کسی کو اس سے اختلاف نہ ہو گا۔ میری باتیں مفصل ہوتی
 ہیں اور مثالوں کی قوت سے بھر پور۔ مجھے اپنے معترضین سے کچھ بھی ہے کہ وہ پوری باتیں پڑھتے نہیں اور
 بڑھ کر دے گا۔ اس کا جواب نہیں دیتے۔ بلکہ عام قسم کے اعتراضات کرتے ہیں جن کا میری عقیدہ سے
 بہت کم واسطہ ہوتا ہے۔

جواب میں کہ میں نے ان باتوں میں ضرورت سے زیادہ بھرپور سلوک کیا ہے۔
 یہ باتیں وہاں کے قلم کاروں سے کہیں نہ کہیں ہو سکتی ہیں۔

شاعری کی خوبیوں پر تفصیل سے لکھا۔ قدامت پرستی، رجعت پسندی کو غیر متعلق قرار دیا اور خانی قمری
تغیر۔ ان کے شعروں سے تعلق میں نے کی وہ پہلے شاید کسی نے نہیں کی تھی۔ لیکن اکبر کا اثر شعر تسویر
نقشہ بنانے کا ہے اور بغیریں حبیب بھی ہیں اور موثر بھی در اپنے مفہوم میں کا سبب۔ ان سے مجھے
کہنا پڑا کہ اگر وہ نظم کے بھیج مفہوم سے واقف ہوتے اور سبب میں مغرب سے کچھ سیکھتے تو ان کی شاعری
کی اہمیت زیادہ سے زیادہ ہو جاتی تو پھر اردو کے شیعہ کی چٹاٹھی کہ میں نے نظم اور مغرب کا۔ م
یکوں یا۔ گویا نجوم سے کوئی بڑا اٹھا، سرزد ہو گیا ہے۔ حالانکہ جو میں نے کہتے وہ بدیہی ماتبت۔ اگر
ابہ نہیں لکھتے اور اپنی وقت مفرد شعرا اور دو شعروں کے قصوں پر بہ بد نہ کرتے تو ان کے فن میں
غفلت آجاتی جو ان میں نہیں ہے اور اہمیت نظمیں لکھنے کے سے مغرب سے استفادہ ضروری تھا۔

سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ میں نے قبیل کو بھی نہ چھوڑا۔ یہاں قیور، نہ چھوڑا نہ تعلق ہی
بات ہے۔ یہی درود ہے۔ یہ ہے: ۱۱ قوی و ملی شاعری سب سے اثر ہوتی ہے۔ چند جذبات کو زور
نور سے سجاتی ہے لیکن اس کی دنیا بہت تنگ ہے (۱۲) پیغام محض شعر نہیں ہو سکتی۔ پیغام
اور شعر میں کوئی یہ نہیں شرط یہ ہے کہ پیغام شعری تجربہ بن جائے، لیکن ایسا ممکن ہوتا ہے۔ اگر آپ کو ان دونوں
باتوں سے انکار ہے تو پھر آپ کے اور میر کے درمیان کوئی common ground نہیں بہ کیف
میں نے نہیں دو اصول کی روشنی میں اقبال کی نظموں کا جائزہ لیا ہے۔ 'خضر راہ' اور 'طلوع اسد' کا تجزیہ
کرتے کرتے یہ معلوم ہوا کہ کیا ہے کہ خیالات محض اور شعری تجربے میں کیا فرق ہے۔ جہاں خضر راہ کے
یہ بد میں شہسرت ہے جیسے جیسے خیالات آگے بڑھتے ہیں ان کے جوش اور دولاہ لکیری میں ترقی پڑتی
ہے لیکن شہسرت میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ میں نے حسب معمول مثالیں دی ہیں:

شب کو تافزاں ہوا سودا در بازم میر	نظمی نظر حیراں کہ یہ دریائے بخت و بخت
جیسے گولہ میں سوجا تاب غفلت شہ خوار	موج مضطرب تھی کہیں کہیں کہ لہروں میں ست خوار
رات کے افسوں کا آستیاں میں اسیر	انہم لم یضو گرفت از غلیم۔ کتاب

اور یہ شعر ہے:

ابطال و غلبہ قلب بیضا ہر شہسرت کی نجات	ایسا بالے ہیں سنکتے سے ہنگ بے جا
پھر ماسن جھوڑ کر داخل حصار میں ہو	مک و دولت ہر فتنہ حفظ در ہا کہ

بک ہونے سے حرام کی یا سبائی کے لئے
 اسی طرح طلوع اسلام میں یہ شرب ہے

گماں آبادستی میں یقین مرکبوں کا
 اور یہ شرب ہے

نیمہ زندہ و آق فساد و مبت ہے
 ضرر ہے تیرے درمیان سخت میں فطرت تعزیر

اسی طرح کی بہت سی مثالیں میں نے دی ہیں اور شراد و نثر کا فرق واضح کیا ہے۔ بے غلط یہ ہے
 کہ کوئی ان باتوں کا جواب نہیں دیتا، صرف برہم ہونا ہے کہ میں نے قبیل کی خامیوں کو وضع کرنے کی کجی
 کیسے کی اور کوئی اس بات کا اقرار بھی ضروری نہیں سمجھتا کہ میں نے سب سے پہلے ان کی نظر سے
 کے شعری حسن پر روشنی ڈالی اور یہ بھی کوئی نہیں کہتا کہ شاہین اللہ صحرانی اور خصوصاً ساقی زمر کی شعری
 اہمیت میں نے بتائی اور یہ بھی بتایا کہ ان نظموں میں خیالات دوسری نظموں سے مختلف نہیں۔ لیکن یہاں وہ
 خیریت، وہ پیغام شعری تجربے بن گئے ہیں۔ ان نظموں کے علاوہ میں نے اقبال کی غزلیوں کی کثرت بھی
 توجہ دلائی اور کہا کہ انہوں نے خیالات کی دنیا بدل دی اور یہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ ان کی شخصیت
 کی بزرگی کا ثبوت ہے لیکن ان باتوں کو ان سنی کر دیتے ہیں۔

میں نے اقبال کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ایک دیانت دار نقد کو کرنا چاہیے۔ یعنی ان کی خامیوں
 پر بھی روشنی ڈالی اور ان کی شاعری کی حدود کو بھی واضح کیا۔ اب سے کیا کہیے کہ تنقید ایک روش ہے
 جس کی تباہی روشنی میں کسی کی شاعری اپنے عملی حدود میں نظر آنے لگتی ہے۔ ان مصنوعی حدود میں
 نہیں جو ہماری جذباتیستی نے بنا رکھے ہیں۔ اقبال، بقول بڑے شاعر تھے۔ لیکن بغیر بڑے شاعر نہیں
 تھے لیکن جہاں تنقید کا مفہوم صرف تحسین ہو، مبالغہ آمیز تحسین ہو، وہاں مجمع تنقید سے چراغ پا ہونا کوئی
 تعجب کی بات نہیں۔

جوش پر بھی میں نے تفصیل سے لکھا اور جس وقت لکھا اس وقت جوش کا بول نہ تھا۔ اس لئے
 اس کے خلاف شدید رد عمل ہوا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ جوش کی شاعری ہنگامی شاعری ہے، جو زری نقالی
 بھی ہے اور میں نے انہیں کے شعروں کو ان پر بہترین تنقید بنائی تھی، ان میں سے چار اشعار سن لیجئے:
 میری کاغذ شاعری کی تو بھی سنگ فتور ایک طفلانہ بلوغ اک کھوکھلا سن شور

بہرے قنیر شعر میں غوغائے فکر نام تمام ایک درد انگیز دریاں اک شکست آلودہ جاہ
وصل کے دوچار نئے ہجر کی ایک آدھ آہ نعرے ناواقفیت، سطح دریا پر نگاہ
گاہ مرنے کے عزائم گاہ، جینے کی انگ بس یہی سطحی سی باتیں بس یہی اچھے سرنگ

میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ جوش کی بہت ساری نظموں کا فارم اقبال کی فارسی نظموں سے اخذ ہے اور یہ بھی بتایا تھا کہ جو سبقت، جو بوجھ، جو شعری حسن اقبال کی بعض نظموں میں ہے وہ جوش کی نظموں میں نہیں اور پھر جوش کی ایک نظم جس کا پہلا شعر ہے:

کیا ہند کا زنداں کا پر رہا ہے، گونج رہی ہیں تکیوں میں

اگتائے ہیں شاید کچھ قیدی اور توڑ رہے ہیں زنجیریں

کا تنقیدی تجزیہ کر کے تعریف (علی سردار جعفری اور عزیز احمد کی تعریف) اور تنقید کا فرق بتایا تھا اور جو کچھ میں نے لکھا تھا اس کا آج تک کسی نے تفصیلی جواب نہیں دیا۔ یہ ثابت کرنے کی کوشش بھی نہ کی کہ جو باتیں میں نے کہی تھیں وہ صحت سے دور تھیں اور پھر میں نے حرف آخر کے ایک حصے کا تفصیلی تجزیہ کیا تھا اور اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ جوش کے مانگے ہوئے الفاظ ہمیشہ تجزیہ نہیں بن پاتے۔ بات یہ ہے کہ لفاظی شاعری نہیں۔ جوش کے پاس الفاظ کا کھوکھلا ڈھول تھا جسے انہوں نے زور شور سے بجایا۔ جب ہنگامہ فرد ہوا ان کا کھوکھلا نظر آنے لگا اور جو کچھ میں نے کہا تھا اور جس نتیجہ پر میں پہنچا تھا آج اسے سمجھوں نے مان لیا۔ آج شاید جوش کو کوئی ہم بھی نہیں ملتا۔

اور جب ترقی پسند شاعری کا عروج تھا اس وقت میں نے ان کی ہنگامہ آرائی کے خلاف آواز بلند

کی اور یہ بتایا کہ اقبال نے جس پر وہ منہ آتے تھے۔ ترقی پسندوں سے پہلے ترقی پسندانہ باتیں کہی تھیں۔ لیکن زیادہ سوجھ بوجھ کے ساتھ زیادہ شاعرانہ ڈھنگ کے اور بہت سی باتیں جنہیں ترقی پسند شعراء اپنی نظموں میں دہاتے تھے وہ اقبال کی نظموں کی صدائے بازگشت تھی اور میں نے اس بات پر زور دیا کہ ہمیں بقول ایسٹ پیس یہ دیکھنا چاہیے کہ جو ہمارے سامنے وہ شعر ہے یا کچھ اور اور میں نے یہ دکھانے کی کوشش کی تھی کہ زیادہ سے زیادہ ترقی پسند نظموں میں نعرہ بازی ہے، پروگنڈا ہے، فلسفہ ہے، استراکت ہے، سرمایہ داری کے خلاف بغاوت ہے اور بہت کچھ ہے، لیکن شاعری نہیں ہے۔ اور پھر بعض نابالغوں نے تفصیل سے لکھا تھا خصوصاً علی سردار جعفری پر اور جہاں ان کی پروگنڈا بازی کی مذمت کی تھی وہاں ان کی

ابھی نظموں کی شانہ ہی بھی کی تھی اور خصوصاً ان کی وہ نظموں سے متعلق کچھ تھا کہ اگر ان میں سے بیکار، مغرے یا
بند نشان نیسے جائیں تو وہ بہت اچھی نظمیں ترتیب دیں گی اور وہ نظمیں تھیں "میرے خواب" اور "پتھر کی در"۔
تاہم اس سے زیادہ تعمیری تنقید مکمل بھی نہ تھی اور پھر میں نے فینن کو دوسرے رقی پسند شعراء کے مقابلے
میں امتیازی حیثیت دی تھی کیونکہ فینن کو نظم کے فنی تقاضوں کا احساس تھا اور وہ ان تقاضوں کو
پورا کرنا چاہتے تھے اور دوسری خصوصیت یہ بھی تھی کہ فینن میں ایک خود فیصلی تھی وہ اپنے کوئے دیب بننے
تھے اور سر پھرے۔ غیوں کی طرح اپنے غروں سے آسمان کو نہیں بدلیتے تھے اور میں نے تریا نکھا کہ اس دور
الغالب میں کوئی تضاد نہیں، دائمی غم صمت اور تضاد نہیں۔ اگر انھیں شمس بن جائے تو ستاری کی
جوسے گلاب میں پانی کی فراوانی ہو سکتی ہے۔

ایک باب آزد نظم سے متعلق ہے۔ اس میں میں نے مغرب ستاری کے نقادوں کو یہ بتانے کی کوشش
کی ہے کہ جب کہ الیٹ نے کہا ہے آزاد نظم کم آزاد کوئی نظم نہیں *no vers is libre for*
the man who wants to do a good job لیکن ساری کی خوبصورت
کو نظم سے زیادہ غزال دل آویز ہے اور پابند نظم سے زیادہ آزاد نظم عزیز۔ کیونکہ یہاں ہاتھ باگ پر نہیں ہوتا
اور نہ پاؤں رکاب میں، خوش قلمرو میں رہتا ہے۔ جب تھک جاتا ہے تو رک جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ آزاد
نظم، نظم معرا، نثری نظم، شعری نثر وغیرہ کا ناموزوں سبب ہے:

فریاد کی کوئی آواز نہیں ہے نالایہ بندے نہیں ہے

بکثرت یہ لوحہ محرزہ خدا۔ اگر میں مغرب زدہ ہوتا۔ میں آزاد نظم کا پرستار ہوتا اور آزاد

میرے دلوں کی۔ حق کی۔ ایک صورت میں کچھ درست۔ وہ فینن کی پیروی میں تریا کی کڑ
کا میاب ہے، تو قابل ستائش ہے ورنہ نہیں۔

خزین میں نے نزلوں پر نظر ڈالی تھی اور پانچ غزل گو شعراء کا تفسیری جائزہ لیا تھا۔ جگر
اصغر، ذکی، حسرت، ورفیق، حسرت اور فراق کی خوبوں کو سراہا تھا، اصغر ورفیق کو بھی ان کے
حدود کے اندر سراہا تھا، لیکن جگر پختہ چینی کی تھی اس لئے میں معذوب ٹھہرا کہ میں نے جگر کی تعریف کیوں
نہ کی اور یہ بات بالکل نظر انداز کر دی گئی کہ میں نے حسرت اور ذکی، اصغر اور ذکی کے محاسن کا تنقید
کی زبان میں بیان کیا تھا کیسے اندھا دھند تعریف نہیں کی تھی۔ اس کی بھی حدود کو ان کی بھی خامیوں

کی شانہ ہی کی تھی اور اقبال کی غزلوں کے بارے میں لکھا کہ نئی آواز ہے، نئی زبان ہے، نئی باتیں ہیں اور یہ بھی لکھا تھا کہ جس زمانے میں اقبال نے اس انداز میں غزلیں کہیں وہ بہت بڑا کارنامہ تھا، اسی طرح میں نے بتایا کہ جوہر کی غزلوں میں بھی نئی آواز اور نئی باتیں ہیں اور اگرچہ ان کی غزلیں کوئی بڑا کارنامہ نہیں پھر بھی ان میں خدیصہ کی آواز ہے جو اردو شاعری میں کم متی ہے۔

میں پھر بھی کہوں گا کہ کسی نے اردو شاعری کو شروع سے آخر تک پڑھنے کی زحمت کوہ نہیں کی۔ یہ کتاب منتشر خیالات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مربوط، منظم و منسجم تنقید ہے۔ نئی تائیدیہ و فحشوری نے لکھا تھا کہ یہ اردو شاعری پر پہلی کتاب ہے جس کا ایک ورق بھی بیزار نہیں کیسے قارئین کا ذہن چونکہ غزل کا تربیت یافتہ ہے اس لئے وہ ادھر ادھر سے چند جملے چن کر ان پر اپنی برہمی کا انہار کرتا ہے اور محض تحریری تنقید ہے۔ سراسر تنقیص ہے، مغرب زدگی کا نتیجہ ہے اور اسی قسم کے جملے کہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال دیتا ہے۔ یہ اس کے بس کی بات نہیں کہ وہ اسے خور سے پڑھ کر سمجھے کہ کوشش کیسے کیا گیا ہے، یہ ہے اور کیوں کہا جا رہا ہے۔ کیونکہ یہاں غیر ذمہ دارانہ، درمی حلام نہیں ہیں، منطقی باتیں ہیں، منطقی دلائل ہیں، منطقی اور سامنی زبان ہے ان کا جواب خدا باقی رد عمل نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

اصل دشواری یہ ہے کہ اردو میں تنقید سے مراد تعریف ہے، تحسین ہے، تقریباً ہے اور کبھی کبھار نری تنقیص، بیجا نکتہ چینی، بے حاصل خرد گیری ہے آج بھی یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ تنقید ایک قسم کی پرکھ ہے۔ ایک قسم کی کسوٹی ہے جس سے کھرے ٹھکڑے میں امتیاز کرنا ممکن ہے۔ یہ تنقید نہیں کہ ہم کسی شاعر کی وہ میر ہوں، غالب ہوں، انیس ہوں، اقبال ہوں یا کوئی اور مبالغہ آمیز محبت کے دور تعریف کریں اور اس میں زمین آسمان کے قلوبے عادیں تنقید یہ ہے کہ ہم ان شاعروں کی کمی اور نشانی خوبیاں خامیوں اور حدود و بسط کو واضح طور پر بے کم و کاست بیان کریں۔ اگر ہم ان کی غزلیں، بیانیہ بیان کریں تو یہ تنقید ہی بد دیا تھی ہوگی۔ سی طبعیت اگر ہم ان کی خوبیاں کو اٹھائیں اور ان کی خامیوں سے چشم پوشی کریں، تو یہ بھی تنقید ہی بد دیا تھی ہوگی، لیکن اردو میں اسی بد دیا تھی یعنی خوبیاں کو اُچھالنا اور خامیوں پر پردہ ڈالنا۔ اسی بد دیا تھی کو اصل تنقید سمجھا جاتا ہے۔

اور پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اردو میں خطائے بزرگیاں گزشتہ صدی کے بزرگوں، شاعروں، دانشوروں میں ہے، اس لئے ان کی خطاؤں کی پردہ داری صواب ہے۔ لیکن خطائے بزرگوں سے مراد جو تو

بھی خطا ہے اور خیر دوں سے سبزدوبو تو بھی خطا ہے۔ اور دوسرے خدق خطا پرستی چھی بات مو اور خطا پرستی بُری
 لیکن تنقید میں خطا پرستی اصل ایمان نہیں بلکہ ایک قسم کا گناہ ہے اور خطا پرستی کی ضرورت آتی ہے۔ بہت
 گناہ چھان سے چشم پرستی کی وجہ سے یہ چھان کو بُرائی بنا کر پیش کیا جاتا ہے کہ وہ سب سے بہتر ہے
 کہ مشرقی امتداد جمیعت بُت پرستی اور بُت پرستی کی طرف۔ اُن باتوں پر ہے کہ کسی امتداد حسیوت کی
 وجہ سے ہم اپنے شعراء کی پوجا کرتے ہیں۔ ہم اے مانیں یا نہ مانیں۔ تیر، غائب، انیس، قدس وغیرہ
 ہائے دیوتاؤں کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ فطری بات ہے کہ کیوں اپنے دیوتاؤں کی کٹھن چھٹی برداشت
 نہیں کر سکتا اور برداشت کرے تو کیسے۔ اس کے پرستار نہ جانتے کہ وہ بردست ٹھیس گئی ہے اور
 یہ دیکھ کر ادبیت اس کی مقدس ہستیوں کو بدعت طاعت بنا یا جا رہا ہے اس کی رُک حمت جوش پرستی
 ہے ورنہ جو زور و جبرازہ طریقہ سے مخالفت کرے وہ جو جاتا ہے اور یہ گناہ ہے کیونکہ اگر وہ اپنے
 نہ کرے تو بھروسے میں میں نہیں پڑ جائے گا۔ اس کی ساری ذہنی اور جذباتی دنیا متزلزل ہو جائے گی
 یہی وجہ ہے کہ وہ کھٹے ذہن سے نہ کسی بات کو سن سکتا ہے اور نہ اُسے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے
 بلکہ اس کا اور سن کی تردید ہے۔ دُعا ہے۔ جیسا کہ گارڈوری نے کہا ہے: 'demon, horns pointed'
 اس کا لفظ دُعا نہیں وہ سب جیسا کہ ان بھی ہے اور کوئی تہذیب کیسیر کیوں نہ ہو بڑی تھی
 نہیں نہیں کھ سکتا اس سے اس کی کچھ عین چھی ہوتی ہیں تو کچھ بُری بھی ہوتی ہیں اور یہ تنقید اس سے کہ
 وہ ایسے بُرے میں تیرا رہا۔ اس کے ذہن کو واضح کرے۔ اس کے سے منطقی دسیں پس کرے تو اگر اس
 بات کو مان لیں کہ تہذیب دیوتا ہیں۔ اس سے اس میں خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور خرابیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ اگر آپ
 اس بات کو مان لیں تو میری باتیں سب بزرگ پر گراں نہ لگیں گی کیونکہ میں اسے وہ بُت پرستی پرستی نہیں
 اور میں قصداً بُت پرستی بھی نہیں کرتا۔ میں شران کو شاعر سمجھتا ہوں اس کی نظموں کو پوری توجہ سے پڑھتا ہوں
 اس کی خوبیوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں اور انہیں بیان بھی کرتا ہوں۔ اللہ اسی پر کشف نہیں کرتا
 بلکہ اسی کی نظموں میں کچھ خامیاں ہیں اگر شاعر کی کچھ حدود ہیں تو انہیں بھی بیان کرنا ایسا فرض سمجھتا ہوں
 اب اسے آپ بُت پرستی بھی کہیں تو کہیں میں اسے حق مینی کہتا ہوں۔

جب میری تنقید سے متعلق بہت سی باتیں کہی گئی ہیں وہاں آپ بات یہ بھی ہے کہ میری تنقید

کا تعینسی تجزیہ کیا۔ جو مجھ سے پیشتر کسی نے نہیں کیا تھا اور بہت سائے قطعے پیش کئے اور ان کے ساتھ کچھ مسلسل قطعہ بندغزلوں کے بھی نمونے پیش کئے۔ پیر کو بالخصوص بہترین شاعریاں کہاں اور درد، موت، غربت کی تشائش کی۔ غالب کے قصیدہ جس کا مطلع ہے:

ہاں تو سنیں ہم سہ نام جس کو تو جھک کے کر بہت ملام

اس قصیدہ کے حسن کا پہلی پر تفصیلی جملہ دکھایا۔ جو کہ جسے کافی تا مراد سمجھ جاتا تھا۔ اس کا ر: ادبی مقدم دیا اور اپنے ایک دوسرے مضمون اردو ادب میں طنز و عرافت میں جو عمدہ اور نہایت کثیف و فشریح کی انہیں ترتیب وار *humour* اور *irony* *satire* کا مادی تیار و روشنی پر گند و انتہا کے عرصہ سمجھ کی روشنی دکھائی۔ میر کی مثنوی معانی تشق کی اہمیت بتائی اور مرزا شوق لکھنوی کی مثنویوں کی خوبیوں کی نشاندہی کی اور یہ افسوس ظاہر کیا کہ شوق کی ادبی جدت کی وہ قدر زہنی جس کے دوستی تھے اور نظیر کی طرف فارمین کی خنوسی توجہ معطف کی اس لئے نہیں کر دے غومی شعر تھا، بلکہ اس لئے کہ انہوں نے ایک طرف مسلسل در قطعہ بند غزلیں لکھیں اور دوسری طرف انہوں نے نظموں کی راہ لی اور ربط و تسلسل کی طرف خاص دھیان دیا۔ اسی طرح اکبر کو ان کا جائزہ مقدم دیا اور شوق کی دو نظموں عالم خیال اور نیرنگ خیال پر تفصیلی تجزیاتی تنقید لکھی اور بتایا کہ شوق نے ایک تسہ کا اجتہاد کیا ہے جس کی مثال اردو میں کم ملتی ہے۔ ایرانی لکیر کو چھوڑ کر انہوں نے زیادہ سنہ بکال تھا۔ یہی اس کی جدت تھی اور اس کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ اقبال کے ساتی نام پر مضمون تفصیلی تنقید لکھی اور اس کے محاسن پر روشنی ڈالی اور پھر اقبال کی غزلوں کو بڑا درد مر کا جو کہ اس کے عرصہ میں نہ ہوئی اور حسرت اور فراق کو غزل گوئی عروں کی نہایت میں اس کا جائزہ مقدم یہاں سے ہوتا از خود ہے۔ کہ یہ سب تحریریں تنقید تھی اور ان کے علاوہ اس سب سے زیادہ تجزیاتی درتہ تنقید کا نمونہ پیش کیا۔ جو پیشتر کسی نے نہیں کیا تھا۔ یہ جو کچھ میں نے کہتے ہیں وہ قصیدہ، نو غزل، تسہ اور نہ تعلی نقطہ حقیقت کا اظہار ہے۔

اب میں ایک بات اور کہ دوں جس سے نہ صرف اردو شاعری کو سمجھنے میں آپ کو مدد ملے گی۔ بلکہ میرا تنقیدی نقطہ نظر بھی واضح ہو جائے گا۔ یہ بات میں نے اپنے ایک حالیہ کچر اصول تنقید میں

کہی تھی اور وہ یہ ہے : ” نقد کو اپنے دماغ کی کھڑکیوں کو کھڑا کھڑ چاہیے ۔ تاکہ اس میں
 نئے تازہ، زندہ، زندگ بخش و ران جانے خیالات بے تکلف سما سکیں ۔ وہ خیالات جو دوسرے ادبوں اور
 تجربوں میں رواں دواں ہیں انہیں قبول آزمائش اپنے خیالات کے ذخیرے میں صحت مند اور تازہ خیالات کا اضافہ نہ
 کرتے رہنا چاہیے ۔ کیونکہ وہی فیصلہ درخیز اعتقاد ہے جو مصنف غیر جانبدار اور پُر از معلومات و دماغ پرکشش
 نقد کو ہمیشہ ہم تازہ دم کی پیاس چاہیے ۔ کیونکہ دنیا کے بہترین خیالات و تفصیلات و معیونہ سے واقفیت
 ہی اسے آزادی خیال عطا کر سکتی ہے اور آزمائش کے خیالات کو وسیع دے کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہی تنقید
 مفید و رہنمائی ہے جو دنیا کو روحانی اور دماغی مقاصد کے لئے الگ واحد مسکنت بخشتی ہے اور خصوصی
 اور مقامی درمیانی رشتوں سے آزادی اختیار کر لیتی ہے ۔ دنیائے ادب دنیائے خیالات ایک ہے
 اس کو مختلف حصوں میں تقسیم کرنا، مختلف قسم کی رکاوٹیں پیدا کرنا خود کشی کرنا ہے ۔ اس مصنوعی تقسیم
 کا نتیجہ ہے کہ ہمارے فیصلے جزئی ہوتے ہیں ہمارے خیالات کی دنیا تنگ ہو جاتی ہے اور ہم ایک قسم کی
 حارحازہ دماغی اور روحانی نخوت کا شکار ہو جاتے ہیں جو غول بیا بانی کی طرح ہمارے تباہی کا سبب
 بنتی ہے ۔ کوئی ساغر کوئی فن کار اپنا علاحدہ وجود نہیں رکھتا ۔ اس کی صیغہ قدر و قیمت ہمیں ہی
 وقت معلوم ہوتی ہے جب ہم اسے دوسرے شعراء اور فن کاروں کی صف میں لاکھڑا کریں :

اور اس کی تشریح کرتے ہیں 'وہ کہتے تو ہیں کہ سادگی اضافی ہوتی ہے۔ لیکن جو سادگی کا معیار پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ "خیال کیسا ہی بلند اور دقیق ہو، مگر پھیپیدہ اور ناک ہموار نہ ہو، درافاظ بہن کتنگن ہو، تقاریر اور مدثرہ کی بول چال کے قریب قریب ہوں جس قدر شعر کی ترکیب معمولی بول چال سے بعید ہوگی اسی قدر سادگی کے زیور سے معطل بھی جائے گی۔" وہ یہ سوال نہیں اٹھاتے کہ شاعری ہمیشہ ان کی تعریف کے مطابق simple نہیں ہوتی۔ بات یہ ہے کہ یہ simple ہوتی ہی ہے اور نہیں بھی ہوتی ہے۔ مثلاً

ورڈزورث کی یہ سطر ہے:

Will no one tell me what she sings ?

Perhaps the plaintive numbers flow

For old, unhappy, far-off things

And battles long ago.

Or is it some more humble lay,

Familiar matter of today,

Some natural sorrow, loss or pain

That has been and may be again.

یہ شہسپیر کی یہ سطر ہے جب Lear King ٹریجڈی کے نظم 'عون پر کہتا ہے۔

Pray you, undo this button. Thank you sir

لیکن مٹن کی نظم Comus سے Comus کی مشہور تقریر کی یہ سطر ہے 'یہی جس میں وہ Lady کو اپنے دام ترذویر میں پھنسانا چاہتا ہے۔

Wherefore did Nature pour her bounties forth

With such a full and unwithdrawing hand,

Covering the earth with odours, fruits and flocks

Thronging the seas with spawn innumerable,

But all to please and sate the curious taste?

And she to many millions of spinning worms
 That in their green shop weave the smooth-haired silk
 To deck her sons; and that no corner might
 Be vacant of her plenty, in her own loins
 She hatched the all worshipped one and precious gems
 To store her children with.

سپنر simple کا طلاق نہیں ہوتا در گرجاں ان سطرؤں یا ان جیسی سطرؤں سے واقف
 ہوتے تو نہیں sensuous کے معنی سمجھنے میں کوئی دوسری لذت اور وہ اس کا ترجمہ اصیت
 کہتے ہیں یہ معنوی ہے یہ سبقتی ہے یعنی جو اس قسم کی چیزیں ہیں۔ اور اگرچہ چیزیں سے تفریق نہیں ہوتا
 ہے۔ جو اس خال میں واضح طور پر موجود ہے۔

یہ ایک مختصر اقتباس ہے۔ کیس سے آپ فور سے پڑھیں تو آپ یہ sensuous دیکھ
 جائیں گے جو وہ پڑا ہے یہ 'odours', 'fruits and flock' یہ 'innumerable
 اور خیر

millions of spinning worms

That in their green shop weave the smooth-haired silk
 tactue image سے انگریزی میں smooth haired silk
 کہتے ہیں۔ اور سب کے علاوہ وہ جو اسات نامہ ان سطرؤں میں آپ کے جو اس قسم کی پیکر
 دستی کے ساتھ ساتھ موجود ہیں اور جن کی sensuous سے یہی مراد تھی اصیت نہیں۔ اس سے
 علاوہ ان سطرؤں کو آپ sample بھی نہیں کہہ سکتے درجہ sample کے لئے نے معانی جمع رکھے ہیں
 پھر اگر کہا جائے کہ وہی کے خیالات اخذ تھے، واقفیت محدود تھی۔ کیونکہ انہوں نے کسی سے مش
 کا یہ حمد تو سن لیا تھا، یکس مش کے نظروں تک ان کی رسائی نہیں تھی۔ غلطی تھی وہ سنی سنائی، بڑی ہی
 پڑھائی تھی۔ انہوں کو ٹول نہیں سکتی تھی، فہم و ادراک معمولی اور فوری ادنیٰ تھے درجہ ہر دار
 باتیں کہتے درجہ باتیں میں نے ہی ہیں وہی باتیں احشام نہایت ہی آراہوں نے نقل کی ہیں۔

آزادوں کی کچھ مجبوریاں اور معذریاں ہیں، وہ مغرب سے متاثر ہونے کے باوجود آگے بہت دور تک نہیں جاتے، کچھ تو اس لئے کہ ان کی شعری اسلوب تنقید سے واقفیت بہت کم ہے۔ کچھ اس لئے کہ وہ زندگی کے کسی شعبے میں بھی معمولی اصطلاحات سے آگے بڑھنے نہیں پہنچتے۔ آزاد تو بزرگوں کا ادب اس حد تک کرنا چاہتے تھے کہ جب ان کی خامیاں بھانے، ہدف آتا تو ان کی زبان گنگ ہو جاتی تھی۔ دوسروں پر ایک اخلاقی غصہ، غرض سب طرح مسئلہ تھا کہ وہ کسی قیمت پر اس سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھے۔ ملک نہ بڑوں کہنا بہتر ہو گا کہ انہوں نے شعر کی سبب دیہی کو اخلاق کی جہن سے باندھ رکھا تھا۔ کسی طرح ان کی فنی تنقید کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے اپنے انداز میں انہوں نے مختلف شعرا کے کام کا جائزہ لیا۔ ہر نثر سوا معمولی اشعاروں کے نہیں تھی یہ شعرا کے خیالات کی بنیادوں یا شعور کے سرچشموں تک نہ پہنچتے اور نہ اسے واضح شکل میں زندگی کے میدانوں سے متعلق کر سکتے۔ تجزیہ کی یہ کمی ان علوم سے نہ واقفیت باطلی واقفیت کی فحاشی کرتی ہے۔ تنقید میں جن کی ضرورت ہے۔

میں ساری باتیں نقل کر کے آپ کو وقت برباد کر رہا ہوں چاہتا لیکن جیسا کہ میں نے اردو تنقید میں لکھا ہے۔

آزاد، مولیٰ سبھی مغربی اصول تنقید سے واقفیت بہت کم رکھتے تھے۔ سرچشموں کے نہیں تھے شعرا کے خیالات کی بنیادوں یا شعور کے سرچشموں تک نہیں پہنچ سکتے۔ وہ ان علوم سے ناواقف تھے جن کی تنقید میں ضرورت پڑتی ہے۔ دوسرے نقادوں نے بھی ایسے اصول نہیں بنائے جو شعریہ زندگی سے کہیں آگے بڑھنے کے لئے بننا یا جانے۔ سب اپنی اپنی جگہ پر چھوٹی بڑی چٹکی ہوئی۔ یہاں میں جو مسئلہ نہیں بنتا بعض باتوں کی طرف معمولی اشارے اور بات ہے دراصل یہ وہی تجزیہ اور استدلال کی کسوٹی پر پورا اترنے والا تنقیدی نقطہ نظر دوسری بات۔ کہ سب باتیں صحیح ہیں تو کیا یہ کہنا بہت دھمکی نہیں کہ اردو تنقید کی ابتدا بالکل شاندار ابتدا انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے ابتدائی حصے میں ہوئی۔ ان باتوں سے ایک ہی نتیجہ نکل سکتا ہے جدید تنقید یہ اصولی اشارے الگ سے ہیں۔ لیکن استدلال کی کسوٹی پر اترنے والا تنقیدی نقطہ نظر نہیں ملتا اور مکمل اور واضح اور استدلال کی کسوٹی پر پورا اترنے والے اصول تنقید بھی نہیں ملے یعنی اردو میں تنقید معشوق کی مہرہ کم ہے۔

مقتضیٰ صاحب یہ سب کہہ چکے کے بعد کہتے ہیں کہ تنقید بھی ہے اور کام بھی۔ یہ شاید ترقی پسند
نقد دوں اور ان کے معاصرین کی کوششوں کی بنا پر۔ مگر ان لوگوں سے پہلے سے پہلے ایک دو عقد میں
عبدالحق صاحب کے بارے میں بھی کہ دوں۔ میں نے عبدالحق صاحب پر کافی تفصیل سے لکھا ہے اور اردو
میں انہوں نے اردو زبان و ادب کی جو گراں قدر خدمت کی ہے اس کا اعتراف کیا ہے اور میں نے
لکھا ہے :

”عبدالحق صاحب پختہ کار ہیں۔ وہ غلبت سے کام نہیں لیتے ہیں۔ محنت اور غور و فکر ان
کی عادت ہے وہ غموں اپنے نغموں پر کام شروع کرتے ہیں اور جب تک بات کی تہ تک نہیں پہنچ جاتیں
تو رتی نہیں کرتے ہیں۔ اپنی حدود کے اندر ذوق صحیح رکھتے ہیں۔ اچھے بُرے کھڑے کھوٹے میں تمیز کر سکتے ہیں
وسعت نظر بھی موجود ہے۔ مغربی ادبوں سے تو واقفیت نہیں، لیکن مغربی اصول تحقیق سے واقفیت
ہے۔ جزئیات سے کافی شغف ہے اور معمولی سی معمولی بات کو بھی نظر انداز نہیں کرتے ہیں۔“

اور میں نے متنبہ کر دیا ہے کہ وہ بھی واضح کیا ہے کہ ان کی تنقید میں تجزیاتی تنقید کے نمونے ملتے
ہیں، جو حالی میں نہیں ہونے کے برابر ہیں۔ لیکن چونکہ میں نے دو باتیں کہ دیں جو حقیقت پر مبنی ہیں اور میں
سے عبدالحق صاحب کی حدود کا تقابلی ہوتا ہے۔ اس لئے مجھ پر برہمی ہوتی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے :

”عبدالحق صاحب کی تنقید مشرقی فضا میں ماسنس لیتی ہے۔ وہ انگریزی سے واقف ہیں، حالی سے
کچھ زیادہ ہی واقف ہیں اگر وہ چاہتے تو انگریزی ادب، مغربی اصول تنقید سے بہت کچھ حاصل کر سکتے تھے۔
اس واقفیت کی ضرورت کو سمجھتے ہوئے بھی انہوں نے یہ واقفیت حاصل نہ کی یہی ان کی بڑی کمی ہے اور اس
وجہ سے ان کی تنقید مشرقی فضا میں ماسنس لیتی ہے۔ وہ مشرقی ادب کو محدود اور مقامی مشرقی نظر
سے جاپتے ہیں۔“

یہ بات اچھی ہو یا بری اس سے قطع نظر اس کی صحت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کیا آپ
کو اس بات سے انکار ہے کہ عبدالحق صاحب کی تنقید مشرقی فضا میں ماسنس لیتی ہے؟ کیا آپ کو اس بات
سے انکار ہے کہ عبدالحق صاحب حالی سے زیادہ انگریزی ادب سے واقف تھے؟ کیا آپ کو اس بات
انکار ہے کہ وہ انگریزی ادب سے واقفیت کو ضروری سمجھتے تھے؟ کیا آپ کو اس بات سے انکار ہے
کہ وہ اس واقفیت و ضروری سمجھتے ہوئے بھی یہ واقفیت حاصل نہ کر سکے؟

یہ دیکھ کر اس سب سے پہلے میں نے ملاحظہ کیا کہ اس جملہ criticism is admirable as breathing کی تشریح کی تھی اور اس کی اہمیت بتائی تھی اور یہ بھی کہ قارئین خود لیسٹ کو اس جملہ کی غلط فہمی سے پوری واقفیت ہو۔ اس پر افسوس ہے کہ میں نے اس پر غور نہیں کیا اور لکھا تھا کہ میں خوان مخور اس جملہ سے بہت میں ایسے معنی یہ دے رہا ہوں اور اس کو اس سے زیادہ دور سے
 میں کہ اس سے بہت پہلے Dryden نے کہا تھا *to breathe to criticism* جیسے
 کوئی *man* لکھا ہو لیکن اس سے کہ نہ تو ڈرائیڈن اور نہ ایلٹ نے اس سے اس کی وضاحت کی اور
 جو باتیں میں نے کہی ہیں وہ بالکل غلط ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ آپ نے ان سے تعلق نہیں کیا آپ انہیں
 سمجھیں مگر یہ تو آپ کو مان رہا ہے کہ یہ باتیں میں نے جہاں ہیں ان کی تشریح تو درمیان کو تھی اور نہ ایلٹ
 کو تھی۔ اس کے علاوہ اس مضمون میں کئی جگہ ہیں جس میں تنقید اور تعلیم تنقید اور دماغی صحت انتقد اور کلمہ
 وغیرہ پر پہلی بار روشنی ڈالی گئی ہے اور ہر جگہ باتیں ایسی ہیں اور جگہ جگہ دیکھ کر اس تنقید
 کے بارے میں میں بات یہ ہے کہ میرا ارادہ نہیں تھا کہ یہ ایک کتاب لکھ کا تھا اور تنقید یہ ہے کہ اس
 کا مقدمہ ہوتا ہے جس موضوع پر اس سے ہے میں یہ جگہ کہ وہ ایک اور تعمیری کام جو میں نے کیا وہ معاصر
 میں تبد کا نوڈ پیش کر کے یہ نہیں کہ میں نے تبصرہ لکھنے کی اسناد کی لیکن پہلے تبصرہ جو لکھے جاتے تھے
 وہ غلط اور غلط ہوتے یا تنقید یا کچھ کوں قسم کے بیانات۔ میں نے پہلی بار یہ کتاب کی پوشش کی کہ
 تبصرہ ہی تنقید کی ایک شاخ ہے جو پڑھنے کے لئے مناسب ہے تبصرہ ہے۔ جو خود و فکر کے بعد لکھا جائے وہی
 تبصرہ ہے جس میں زیر نظر تصنیف کا مفید جز یہ ہے وہی تبصرہ ہے جس میں خلیفہ کی جانچ پڑھنے کے
 اس کی خوبیاں و خوبیوں کے متعلق فیصلہ ہے وہی تبصرہ ہے چار تبصرہ ہونی چاہیے رکھتے ہیں۔ یہ تبصرہ
 نمایاں ہے یعنی کہ مثنوی ابجد مثنوی۔ دور افہامیت اس دور کی کتاب ہے اس سے اس کے
 مشہور کتاب اور اس کی تنقید تا وہ اس پر اور چوتھا نصف اس کتاب کی تشریح میں ہے۔ انہیں اس
 اور دیکھئے کہ تبصرہ بھی ایک فن ذرا مکمل فن ہے۔ سمجھنے کے لفظی اسے ان اصول کے بعد میں ایک تقریر کا
 اور ذکر کردوں۔ اجماع تمام عالمین کی دعوت پر میں نے سب سے پہلے ان کی تشریح کی تھی۔ وہ دیکھتے تھے
 چار کچھ نظریوں سے متعلق تھا جیسا کہ آپ جانتے ہیں اس سے کہ ہے کہ ادبی تنقید کی روش میں ایک
 مدعا یہ سوال ہے کہ کیا یہ بات اس کی ضرورت ہے۔ یہ کیوں تھی پڑھی سی سند لکھی ہے۔ تنقید ہی

فائدہ نہیں سوس یہ سے کہ نہ ہی وہ زندگی میں کیا تھیں ہے۔ انہوں نے سمجھتے ہیں کہ یہ جہت ہے
 میں نے پہلے پڑ میں تھی، مومن، تو اسے دست و گریباں ہونے کی بات کی کہ وہ حواس میں سے کسی
 میں سے آپ انہیں کہلائے۔ انہوں نے نہیں بڑھتے کے بعد آپ کو یہ کہنے کا حق نہیں ہوگا کہ انہیں
 کہہ دیں کہ یہ سے معنی کوئی انہیں نہیں رکھتا۔ وہ ہر سرور و منت تجلیاتی تقدیر میں صرف ہیں۔ یہ کہنے
 ہی کو آپ کو رہی میں ہے۔ کہ آپ نے ہی تقدیر پر بھی ہٹ چکے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں سے
 علی تقدیر پر بھی سے انہوں نے بھی اس کے مقدمہ کو نہیں دیکھا۔ اس کے لئے ہے تو اس کو ملت
 دھیمیں بھی دیتے ہیں۔ کہ اس کتاب کا ہم سب مقدمہ ہے۔ جن سے یہ دے زیادہ لوگ عدالت
 کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ وہ کہ آپ کے تین ہر سارا وقت صرف کر دیتے ہیں۔ جن میں صرف حوالہ تقدیر یا
 تقدیر تقدیر سے وہ شاید یہ نہیں بھی ان کے دل میں نہیں ہوتا کہ جو بخیر یا اقبال کیا گیا ہے۔ کہ انہوں
 کے پیش نظر ہے اور حواس پر نظر ہے۔ انہیں کی وضاحت مقدمہ میں کی گئی ہے۔ کہ مقدمہ ہونا
 تو کتاب کا بھی حصہ ہے۔ یعنی ہونا۔ اس کا کوئی جواز نہیں ہوتا۔ اس لئے میں کہوں گا کہ آپ میں کتاب کو
 بالکل حوالہ دیں۔ نہ دھیمیں دیں تو صرف مقدمہ پر کیونکہ اگر میں نے اپنی دوسری کتاب میں صرف تجلیاتی تقدیر
 کی ہے کہ یہ درست نہیں جیسے کہ میں شام میں دے کر ثابت کر چکا ہوں کہ تو یہ کوئی نہیں کہ سب مقدمہ بھی
 صرف تجلیاتی تقدیر ہے۔ سرور و جامع نے لکھا ہے کہ یہ سب دیکھنا یا سب سے زیادہ نام علی تقدیر ہے۔
 انہوں نے یہ کہنے سے خیال کیا کہ یہ نہیں کی ہے لیکن غالباً وجہ یہی ہے کہ اس میں سوال تقدیر و دفع، معین لفظ
 دیکھا ہے اور بیان اسی صاف۔ کہ وہ آسان زبان میں ہے کہ سرور و جہت پر پڑھنے والوں کو۔ کہ انہیں بھی
 سمجھتا ہو۔ کہ کبھی نہ درج ہو۔ کہ وہ تقدیر کے لئے ایک ہی جگہ لکھیں۔ اس میں ہی ہیں اور جگہ میں
 نے کہا ہے اس کی تخصیص ہے۔

”دیکھو یہ چاہئے کہ نہ کہا کہتا ہے اور کیسے کہتا ہے۔ کیا یہی مضمون ہے؟“ اور دوسری قسم کا
 خیال درک کیا یعنی اسلوب = خوش تشبیہات و استعارات، الفاظ سنگین و خوب = شعر و
 ادبی ہے یعنی کیا اور کیسے مضمون اور الفاظ کچھ ایسے لکھیں جاتے ہیں، ان میں کچھ ایسا عیب و
 تیغ ہو جاتا ہے کہ ان کے میں سے ایسا ہی پتہ نہیں جاتی ہے۔ دوسری وحدت میں یہ مل جاتی ہے کہ
 اہمیت اس لئے ہے کہ شاعر اپنے ہمیں ادراک کے بلند ترین مقام پر ہوتا ہے اور اس کی باتوں میں

ایک لطف ہوتا ہے، ایک نازک ہوتی ہے، ایک کتلی ہوتی ہے، خوبیاں، وزن، ہکی باتوں میں نہیں ہوتیں۔
 گرتا، وہی کہ جو ہم آپ کہہ سکتے ہیں، اگر اس کے تجربے ایسے ہوں جن سے ہم اپنی زندگی میں دودھ پونے
 ہیں تو پھر ہم اس کے شعروں کو کیوں سینیں، شعروں میں، باتیں ہوتی ہیں، یا مگر باتیں ہوتی ہیں، پھر لطف باتیں
 ہوتی ہیں ان میں رنگین و زریں تجربے ہوتے ہیں جن سے دل دماغ کو نئی گرمی اور روشنی ملتی ہے۔ جن سے
 نازک بارونق ہو جاتی ہے۔ ہاں تو یہ وہ سے زیادہ شعروں میں کوئی تاثر، کوئی احساس کوئی جذبہ ہوتا
 ہے۔ میں نے ہر شاعر ہم آپ جیسا ان کو ضرور ہوتا ہے لیکن کچھ غیر معمولی قسم کا۔ بے حسو سے اس کو ضرور
 یاد اسے نہیں وہ کسی حساس الہ کی طرح تھر تھراتا رہتا ہے اور ہونے والے واقعات اس پر بے شمار اثرات
 لگتے ہیں یعنی قوتِ حالت کے ذریعہ احساسات و حیات کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ اس کے دل میں ہوشیوں
 بند ہوتے اور کونٹا بھرتے اور رنگین دردیں شریقت ہوتے رہتے رہتے ہیں! پھر میں نے بنیاد
 شاعر کے ہونے کو وہ خیال کی صورت میں ہوں، ذہنی نقش کی صورت میں ہوں یا تازہ کی صورت میں ہوں کیسے
 جو نیک پر رکھ کی جائے، کیسے ان کی قدر و قیمت کا تعین کیا جائے۔ کیسے بھڑکدوں میں فرق کیا جائے۔
 یہ بحث تقریباً ۴۴ صفحوں پر چلی ہوئی ہے اور ہر بات کے لئے مثالیں پیش کی گئی ہیں شعروں کا تجزیہ کیا
 یہاں تقابلی تنقید کی گئی ہے جنہیں آپ علی تنقید میں دیکھ سکتے ہیں جو باتیں کہی گئی ہیں ان کا دوبارہ
 ، خود میں ایک تجربہ ہے، ایگانہ دیکھنا۔ یہ بدبخت کہ شری تجربہ ہے۔

(۲) یہ تجربہ کوئی خیال ہو سکتا ہے، کوئی ذہنی نقش ہو سکتا ہے یا کوئی احساس یا جذبہ

(۳) تجربہ بھی ہوتا ہے اور رائے بھی قیمتی بھی اور کم قیمت بھی۔

(۴) یہ تجربہ اگر خیال ہے تو اس میں نیا پن، مارکی، انگریزی پیچیدگی، ذہنی ترطیں ہیں، اگر ہر چیز
 میں، تو میں تجربے سے ذہنی بعیرت میں، اضافہ ہوتا ہے اور ذہنی انحصار حاصل ہوتا ہے اور یہ نہیں کہ
 خیال معمولی قسم کا ہے، پیش یہ قلمداد ہے شعرا کی عام ملکیت میں ہے اس میں کوئی نئی بات نہیں ہو جاتی
 تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

(۵) اگر کسی ذہنی نقش میں (دہ آئینہ و استعارہ) کے روپ میں مویا آزاد ہو ہی بات پیدا کی گئی ہو

اس سے بنا کام لیا گیا ہو، اس کے ذریعہ کوئی نئی بات بھی گئی مویا پُرانی باتوں سے نئی بات نہیں ہو، اگر

اس میں احساس کی تیرہ نئی بان ڈال دی ہو یا وہ نقش نیا ہو جس کا شمار عام ملکیت میں نہ ہو۔ ان

ہمیت نہ رہے۔ اگر الفاظ نہ ہوں تو شو کا وجود بھی ممکن نہیں۔ کہہ سکتے ہیں کہ شعر خاصہ خاصہ لفظوں کا مجموعہ ہے لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ غزلوں کا یہ مجموعہ شعر نہیں ہوتا، اگر کم ان دو دو کو دھیان میں رکھیں تو تنقید کے کام میں بہت سہولت ہوجائے گی وہ دونوں باتیں یہ ہیں۔

(۱) شعر خاص خاص لفظوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔

(۲) لفظوں کا ہر مجموعہ شعر نہیں ہوتا۔

شعر شاعر کے شعور کا بیان ہوتا ہے غزلوں کی ذہنی، فانی و جاہلہ کو بیان کرتے ہیں۔ جو اس سے ذہنی یا بدیہی کرتے ہیں وہ بذات خود تجربہ بھی ہونے میں۔ کون خیال، ذہنی غش یا احساس نہ کوئی کرتا ہے۔ اس خیال، ذہنی غش یا احساس میں زور تو ہوتا ہے ایک وضاحت نہیں ہوتی۔ یہ ہونا اور غرض نہیں رہتا ہے۔ لفظوں میں جب کسی تجربہ کا بیان ہوتا ہے تو اس میں وضاحت آجاتی ہے اس پر غور نہ ہونا ہے، تہی ہی ہونے کے لئے تجربے آتے ہیں اور اس کی پیمیدگی، رنگینی قدر قیمت، بات بڑھاتی ہے گو اس کی صورت کچھ اور ہوجاتی ہے۔ یہ سب باتیں کہی جاسکتی ہیں لیکن ان پر زور نہ زور نہ رہتا ہے۔ ورنہ شعری غزلوں کی جو جگہ ہے، جو اہمیت ہے، جو جو دو گروں کے ذہنی یا نہیں ہوجاتی۔ بلکہ کا ایک شعر ہے:

تسورہ نہ رفتہ کسرا پرتا جاتا ہے وہ اک شے جو بھی میں بے محسوس ہوتا جاتی

میں کچھ سوچاں کی بات ہوتی ہے۔ تجربہ نہ رفتہ غزلوں کی مردے کسرا پرتا جاتا ہے۔ جو چیز غیر مدنی تھی وہ محسوس ہوجاتی ہے۔

شعری غزلوں کی ہمیت یہ ہے کہ اسے دوسری طرح سے سمجھنے کے لئے دو مختلف کیفیتوں کا تجربہ نہ رہتا ہے۔ ایک طرف تو یہ سمجھنا چاہئے کہ غزلوں کی کوئی اپنی ادنی خصوصیت نہیں ہوتی وہ نہ تو انیس ہوتا ہے اور نہ تو بد صورت، نہ تو خوشگود ہوتا ہے اور نہ مردہ سین یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شعری غزل ورنہ غزل میں فرق ہوتا ہے۔ آسمان زمین کا فرق ہوتا ہے۔ نہری غزل چمپ وریفہ ہوتا ہے اسے دوسری طرح سے بھی سمجھا سکتے ہیں۔ لیکن شعری غزل آپ اپنا وجود اسے اور ایک دینے مدنی اس میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ شعری غزل غالباً غزلوں میں گنجینہ مدنی کا علم ہوتا ہے۔ پھر غزل کا ایک پکا ہوتا ہے اسے بولے یہ اس کی سادہ کو ہم نہیں محسوس کرتے ہیں، سنتے ہیں تو ایک عام موزیک کا احساس ہوتا ہے

سوچتے ہیں تو آنکھوں کو، نردون آنکھوں کو، اس کی صورتی پیکر اغراض ہوتے ہیں۔ نظام ہے کہ ہر لفظ ایک پیکر ہوتا ہے اور یہ پیکر کی پیکروں سے مل کر بنتا ہے۔ اس کی مختلف کیفیتوں کو اپنے حواس خمسہ کی مدد سے ہم محسوس کر سکتے ہیں۔ مٹی بھی اور موتی بھی اسے ہم چھو سکتے اور سونگھ بھی سکتے ہیں اور زبان و لب اس کی رحمت کا شرف بھی ٹھہر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر لفظ میں ایک خصوصیت جو ہر لفظ کو دوسرے لفظوں میں نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ ایک لفظ ہم معنی ہوں مگر اس میں ہر لفظ کی ایک انفرادی خصوصیت ہوتی ہے جو اس کے مادہ لفظوں میں نہیں پائی جاتی۔ ہر لفظ کی اپنی ایک ذہنی اور جذباتی فضا ہوتی ہے، ہر لفظ ایک دہی پس منظر ہوتا ہے۔۔۔ غلطی میں حس کی ایک خصوصیت ہر پشیدہ ہوتی ہے مگر احساس کی بے حس خیال کی کم نفی تجسس کی کستری، جو سے گھبراہٹ، معنی تک رسائی نہیں ہوتی۔ نتیجہ ہوتا ہے کہ الفاظ چپے بوجہ ہیں مختلف معانی کو ایک سر کر یک شکل کے اندر دیتے جاتے ہیں۔ ان کی انفرادیت مٹ جاتی ہے اور اس پر یکسان غلطی کی چھا جاتی ہے۔ ان میں جو نفی و گہنی یا زہنی ہے وہ مٹ جاتی ہے اور وہ محسوس تعریف محسوس کرنا شروع کرنا شروع شام ہی سے بجے بجے سے دکھائی دیتے ہیں۔ الفاظ کے بعد آہنگ کی بازی آتی ہے۔ ہوں تو شعر میں وزن ہوتا ہے مگر وزن ایک ہوتے ہوئے بھی آہنگ مختلف ہو سکتا ہے۔ اس لئے وزن کی زیادہ اہمیت نہیں جو چیز اہم ہے وہ لفظوں کی نوع خرام ہے۔ لفظوں کا چلتا پھرتا جیسو ہے وہ ہمیشہ برابر ہوا متحرک نظر ہے جو ہمیشہ نئے نئے ڈھنگ سے اس خرام کے نئے نئے جلوے دکھاتا رہتا ہے۔ گریزی میں ایک غصے کا ہوتا ہے۔ یہ وزن نہیں کچھ اور چیز ہے وزن کو *metre* کہتے ہیں۔ اردو میں *بحر* کہتے ہیں۔ دو تو یہ ہوتے ہیں۔ دو میں آہنگ کا تصور ذرا مشکل ہے۔ بہت سے آہنگ شعروں میں وزن ایک ہو سکتا ہے۔ آہنگ مختلف ہوتا ہے۔ لفظوں کا یہ قص مختلف ہوتا ہے اور یہ فرق اس لئے ہے کہ لفظوں کے حروف وہ حروف صوح ہو یا حروف غنت کی آواز آئے گی اور شعر دو مشروحوں میں حروف کا یہ ن ایک نہیں ہو سکتا۔ کچھ لفظوں کا بوقلمون مجموعہ بنتا ہے اور بعض کبھی آہستہ چلتے ہیں تو کبھی تیز تیز۔ کبھی بہتے ہیں تو کبھی اڑکھڑکتے ہیں اور کبھی سخیلگی اور رکھ رکھاؤ پھیل رکھتے ہیں اس لئے نغمہ اور قص دو وزنوں والے سے اثر بردار رہتا ہے۔

وزن آہنگ حرکت کے بعد پہلے کی بات آتی ہے۔ اگر گریزی میں ایک لفظ ہے *موت* اور شعر میں اس کو خاص اہمیت ہے۔ شاخ کچھ کہتا ہے اور اس کے کہنے کا ایک خاص موہجہ ہوتا ہے ایک

حد تک یہ لہجہ شاعر کی شخصیت پر منحصر ہے۔ شخصیت ہی کی بنا پر تجربوں کی تشکیل ہوتی ہے اور جس لہجہ میں شاعر
 بات کرتا ہے اس میں اس کی شخصیت کا پورا اثر نظر آتا ہے۔ میر کی شخصیت کو داسے مختلف لہجے اس سے اس کے
 بچوں میں مشابہت ممکن نہ تھی لیکن ابھی یہ فرق زیر بحث نہیں۔ بات یہ ہے شعر میں جن تجربوں کا بیان ہوتا ہے
 ان کی جذباتی سطح پر لیتی رہتی ہے اور اس تبدیلی کا اثر لہجہ میں بھی نمایاں ہوتا رہتا ہے۔ کبھی لہجہ بلند ہوتا
 ہے تو کبھی دھیر ہو جاتا ہے۔ کبھی بات بہت آہستہ آہستہ ہوتی ہے تو کبھی لہجہ میں تیزی آ جاتی ہے۔ کبھی تیزی ہوتی
 ہے تو کبھی کرشماتی، کبھی شہابی ہوتی ہے تو کبھی تیکھ پن غرض حرکت سے قطعاً لہجہ میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے
 اور غزبات کا رد و جذبہ برابر اثر ڈالتا رہتا ہے۔ میں نے کہا ہے تجربے کا ایک پتہ سمجھئے اس سے بلائی ایک
 طرح سے نہیں ہوتا۔ کبھی تیزی سے بہتا ہے تو کبھی آہستہ سے بھی۔ بازم سیر ہو جا تا ہے کہ جیسے تھوڑے آب و ہوا،
 کبھی مٹی مٹی لہریں ہوتی ہیں، تو کبھی یہ لہریں بلند ہو جاتی ہیں اور کبھی کمزور کی کیفیت ہوتی رہتی ہے۔ کبھی
 ہلکے ہلکے بہتے بہتے ہیں اور گڑبڑتے ہیں تو کبھی جھگ کاٹا بھر ہوتا ہے۔ کبھی دھیمی دھیمی سرسراہٹ کی دھند
 آتی ہے تو کبھی آواز کی لے تیز ہو جاتی ہے۔

میں نے تقریباً دو سو مضمونوں کو چھ مضمونوں میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے لیکن اس سے بھی آپ کو مزید
 ہو سکتا ہے کہ میں نے اصولی باتیں کی ہیں اصول منضبط کئے ہیں، مگر صرف یہ ہے کہ مثالیں میں نے صرف غزلوں
 سے دی ہیں۔ چونکہ میرا ارادہ دو اور جلدیں لکھنے کا تھا، جلد دوم میں قصیدوں، مثنویوں اور مرثیوں کے
 بحث ہوتی اور تیسری جلد میں نظموں سے لیکن اصول دی ہیں جو میں نے پہلی جلد کے مقدمے میں بیان
 کئے ہیں۔ یہ حقیقت مثل روز روشن ہے کہ میں نے صرف دوسرے نقد دوں پر مکتہ چینیاں نہیں کی ہیں بلکہ
 مثبت باتیں کی ہیں اور کہا ہوتا ہے چاہیے یعنی اصول تغیر یہ اس کتاب میں مفصل بحث کی ضرورت
 کتابوں میں بھی اصول باتوں سے متعلق اجلی لیکن واضح اشاروں کی کمی نہیں۔

’اُردو شاعری‘، ’اردو تنقید‘، ’سنگھائے لغتی‘ اور ’عمی تنقید‘ کو آپ دیکھ چکے۔ اب ’روزِ دین‘ اور ’فنِ داستان گوئی‘ کو دیکھئے۔ اس کی میری نظر میں زیادہ اہمیت نہیں لیکن سے ٹوکنا نظرِ استحسن سے دیکھا جائے۔ یوں اردو صاحب نے کچھ ’جادو پر ایمان کون لے‘ اور ’گیانِ خیر‘ میں کچھ اعتراضات کے جن میں کچھ غلط فہمی پر مبنی ہیں اور کچھ اختلافِ رائے ہے جس کا نہیں حق حاصل ہے۔ لیکن عام طور پر برہمنوں نے بھی اس کی تعریف کی ہے خصوصاً اس کے اسلوب کی۔ دو تین جملوں سے یہ بات واضح ہو جائیگی۔

۱۰۔ کلیم الدین صاحب نے اس کتاب میں کئی جگہ انسانی نفسیات اور سماجی زندگی کی ایسی حسین حقیقتیں واکشود کی ہیں کہ انہیں پڑھ کر وجد آتا ہے۔

(۲) دو تین منٹوں سے قطع نظر کتاب زبان و بیان کے لحاظ سے بے دارغا ہے۔ کلیم الدین احمد صاحب پر کوئی مقام لکھا جائے تو اس میں زیرِ نظر کتاب کو اہم مقام دینا ہو گا۔

(۳) کلیم الدین احمد صاحب کی اس کتاب نے داستان جیسی فرسودہ صنف کو اردو ادب میں

اس کا مقام دلایا۔ اس صنف پر یہ ان کا سب سے بڑا احسان ہے۔

بہ کیف۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اس کتاب کے خدو و خدو غل نہیں ہو جیسے

’اُردو شاعری‘ اور ’اردو تنقید‘ کے خدو و خدو۔ وجہ یہ کہ اس میں تحریر میں یا فنی تنقید میں کئی

اور غزل نیم و شش صنف شامل ہے۔ ’اُردو میں تنقید‘ جو محض فنی ہے یہ اتنی کس کا حق و غلط ہے

یہ معشوق کی نوہم کر ”جیسے لکھتے ہوئے جھانپیں تھے۔ پیسے میں چہرہ باتیں و خنجر دلوں جن سے کچھ غلط فہمیاں

دور ہو جائیں گی۔ ” فن داستان گوئی“ تحقیقی کتاب نہیں۔ یہ اردو کی اہم داستانوں کا تنقیدی ترجمہ ہے۔

دو۔ یہ بات یہ ہے کہ میں نے دس originals سے واسطہ نہیں رکھا ہے۔ صرف اردو داستانوں

سے۔ میری بات یہ ہے کہ میں نے کبھی نہ لکھوں میں داستان گوئی کا ترجمہ کیا تھا۔ لیکن میں نے کبھی نہیں لکھا کہ

مسموم ہو کر یا پھر قہار فوجی بک یا گویا رسیہ تحریری دستاویز تھیں۔ میں نے جاہ کے کچھ افراد بھی نقل کئے ہیں جس کا پہلا سراغ ہے، لکھی جاے جاہ داستان عجیب مرگ کی حکایتیں ہیں۔ اگر یہ باتیں فہم میں ہیں تو بہت سے اعتراضات بے دخل ثابت ہوں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مجھے یہاں بھی یہ شے بتا ہے کہ وہ بڑے معنی میں سبک سمجھتے نہیں ہیں۔ چند جہوں کو تن سے لگ کر کے ان پر اعتراض کرنا اصولی طور پر غلط ہے اگر کسی کو تصدیق ہو تو اسے درجہ باب کو پڑھنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ وہ *all or* *a piece* سبب یا وجہ۔ سبب عرصہ جہاں میں نے غباروں کو وجود دہرانے کی *secret service* کہتا ہے اس میں سے کسی ایک حصہ کو لے کر اعتراض کرنا درست نہیں۔ یہ تو درست ہے اور اس میں نے غرض بھی کیا ہے کہ داستان نویس کا تئیں پر زور ہے کہ *execution* مکڑی ہوتا ہے۔ سبب میں نے کنگ آفٹر اور اس کے ناموں کا امیر حمزہ دوران کے جانا زوں سے متعلق یہ کہتے تھے لوگ سمجھ میں پاتے ہیں یا لاگہ نہیں پاتے۔ دیکھئے "آفٹر محض ایک انگریزی بادشاہ نہیں وہ ایک خصوصی مددگار، مذہب فیض بستی نہیں وہ کسی کا مددگار ہے، دیو، اژدھ، بوکا، ناٹ جن سے وہ جب آواز ہوتا ہے کبھی بری کے جیسے ہیں اور جو مدد کرتے ہیں وہ معنی خیر ہیں ان میں کسی اور بری، دشمنی اور ناگوار سیفی اور سیدھی کی کشمکش کا نقش کھینچا گیا ہے۔ یہی بات طسم ہوس رہا میں جی متو ہے۔ امیر حمزہ دوران کے سردار کی کے پتلے زرنیکی کے جوتی ہیں۔ افراسیاب اور اس کے مددگار اور دروغ بری کی مدد میں ہیں اور سبکی بری کی طاقتوں میں زبردست تقدم ہوتا ہے۔" طاقت بری کی قدر میں پھر دی گئی کہ کچھ میں کہتا ہوں *all or a piece* ہوتا ہے۔ اس سے ایک حصے سے سخت کرنا درست نہیں۔ اب اسے کیا کہئے۔ سمجھئے یہ جو تو فہم کا اپنی تصویر تھی۔

بہ کیف حصار میں سے کہ ہے کہ اس کو اس کو لوگوں نے نظر حتمین سے کی۔ کر جہوں کے بعض حصوں سے بہت جڑ بڑ بھی ہوئے۔ گمان چند صاحب جنہیں میں کتاب کی جنس ہوں سے سخت غور ہے پھر بھی کہتے ہیں :

"اگر دو زبان اور غرض داستان گویا اردو داستانوں کے عنوان پر

پہلی جگہ پورے تنقیدی کتابت ہے۔

جنوں کو رقبہ پوری نے یہ کتابچہ "افسانہ" میں داستانوں کے بارے میں

مختصر کھا تھا اور فوق الفطرت داستانوں کو سراہا تھا لیکن کبیر الدین صاحب نے داستانوں کی سادہ و سست قدرت سے کسی کی یہ کہہ نہ سکا ہو گیا کہ ان کتاب کی اشاعت کے بعد ہی اردو ادب میں صنف داستان کو اس کا جو زخمہ حاصل ہوا۔ ان کے بعد اس موضوع پر کئی تحقیقی مقالے، کئی دوری کتابیں لکھی گئیں جن میں سے بعض ابھی تک ہر ایک جمع سے محروم ہیں۔“

ظاہر ہے کہ میں نے یہی بار اردو کے اس قیمتی سرمایہ کی طرف لوگوں کی توجہ کو مبذول کیا۔ جو سرمایہ گوشہ مذمی میں پڑ ہوا تھا اور جسے لوگ بھول چکے تھے۔ جوں بے تھے بھر میں سرمایہ کی خوبیوں اور نئی نئی باتوں سے قارئین کو باخبر کیا اور یہ بھی کہا:

”داستانوں کا یہ سرمایہ کسی دوری زبان کی داستانوں کے مقابلے میں بڑا قلیل پتیا کیا جاسکتا ہے اور یہ بھی جاتا ہے کہ جتنا کہ ہے کہ کسی دوری زبان کے سرمایہ کے مقابلے میں بچ نہیں۔ لیکن یہ تو اردو دنیا کا مشہور ہے کہ اچھی چیزوں سے واقفیت نہیں اور کہ قیمت چیزوں کی تشہیر کی جاتی ہے۔“

جہاں میں نے داستان کی خوبیوں کا بالتفصیل ذکر کیا ہے وہاں میں نے یہ بھی لکھا ہے:

”یہ فہرست قانون ہے کہ زندگی کے تغیرات کے ساتھ ہماری ضرورتیں بدل جاتی ہیں اور نئی نئی چیزیں ہماری دلچسپی اور توجہ کا سامان ہوتی ہیں۔ ادب میں بھی یہی قانون جاری و ساری ہے۔ بعض شعبوں نے زندگی کے تغیرات کے مطابق برائی ہو جاتی ہیں اور انہیں ہم پس پشت ڈال دیتے ہیں اور نئی شعبیں بن دیتے ہیں۔ مثلاً ایک اب کوئی نہیں لکھتا کہ موت سے پہلے صنف ادب نے ہر شے کی۔ اسی طرح داستان کوئی بھی اب زندہ صنف ادب نہیں رہی۔ لیکن جہت نہ بھولنا چاہیے کہ کوئی کامیاب ہی کا نام نہ لے سکتا ہے۔ مرد نہیں ہوتا۔ جو مر کی امید، دانستے کی ڈوائن کو میڈی۔ شیکسپیر اور راسین کے ڈرامے آج بھی زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اسی طرح داستان نویسی اب زندہ فن نہیں رہی۔ لیکن کامیاب داستانیں زندہ ہیں۔ در زندہ رہیں گی۔ انہیں ہم مردہ سمجھ کر دفن نہیں کر سکتے۔ خصوصاً اردو ادب کا سرمایہ کچھ اتنا زیادہ نہیں کہ ہر ای داستانوں کو جبر سمجھ کر انہیں ادب کے

زمرے سے خارج کر دیں۔“

ان سطروں میں سے کچھ سطر میں نقل کر کے گہن چند صاحب لکھتے ہیں:

”آخری دو انتہا رسات میں انہوں نے رب کے تغیرات اور قارئین ادب کی مزاج دانی

کے کس اور اک ہا ثبوت دیا ہے۔ پھر آخر کتاب میں وہ یہ تقاضا کیوں کرتے ہیں کہ آج کے قارئین

افسانوں اور ناولوں کو چھوڑ کر داستانوں میں ڈوب جائیں۔“

میں نے کہیں یہ نہیں لکھا ہے کہ قارئین افسانوں اور ناولوں کو چھوڑ کر داستانوں میں ڈوب جائیں۔

جو میں نے لکھا تھا وہ یہ ہے:

داستان کی جذبہ پہنچانوں اور کچھ مختصر فسانے نے لالی ہے۔ اردو داستان تو

ختم ہو چکی اور ناول بھی دم توڑ رہا ہے۔ آج کل کچھ لوگوں نے ہمت کی ہے اور ناول کو

صحت بخشنے کا کوشش کی ہے لیکن نتیجہ تسلی بخش نہیں۔ جہاں غزل کو بہترین صنف

شاعری اور شعور فرد کو شاعری کی معراج شمار کیا جاتا ہو، وہاں ناول جیسی مشکل صنف میں

کامیابی محسوس! ناول کے لئے کچھ نہیں تو کافی طویل محنت اور دماغ سوزی کی ضرورت

ہے اور طبیعت اس کی مادی نہیں۔ اس لئے کام میں ہر قسم کے بھول رہ جاتے ہیں یہی

وجہ ہے کہ آج اردو میں سب سے زیادہ مقبول ناول ’مختار فاضل‘ ہے۔ جو شہرت غزل کی

نکلی دہی اب افسانے کی ہے۔ جیسے پہلے لوگ غزل لکھتے اور پڑھتے تھے آج افسانے لکھتے

اور پڑھتے ہیں۔۔۔ اور ہمارے انتشار پر دار اس صورت حال سے بظاہر مطمئن ہیں لیکن

مجھے حسد کی کڑواہٹ نظر نہیں آتی۔“

یہ باتیں ۱۹۴۴ء میں لکھی گئی تھیں اور جو ناول اور افسانے اس وقت لکھے گئے تھے ان سے

میں نے پنجبے اطمینانی غم کی محنت اور سب سے جہان تک داستان کا تعلق سے میں نے صرف یہ کہا تھا۔۔۔

اور ان جملوں کو گہیاں چند صاحب نے حذف کر دیا تھا کہ ”کوئی کامیاب فنی کارنامہ پرانا یا مردہ نہیں ہوتا۔۔۔

... داستان۔ کئی اب زندہ فن ہیں لیکن کامیاب داستانیں زندہ ہیں اور زندہ رہیں گی۔“

کسی پر اعتراض کرنے سے پہلے اس کی پوری بات تو کچھ دین چاہیے لیکن جہاں یہ خیالی عین

فطرت ہمارے خیالات کے گھنے ہوئے پیران سے پٹن نامکن نہیں تو دستور ضرور ہو رہا ہے۔

میرے خیال میں فنِ داستان گوئی کی اہمیت تاریخی ہے اور کچھ تنقیدی بھی۔ تاریخی سے
 کہ یہ اردو داستانوں کے موضوع پر چہی عمر کا ہے۔ تنقیدی اس لیے کہ داستانوں کے بہت ایسے گوشے
 جو تاریخی میں بڑے ہوئے تھے وہ اب بھی برقرار ہوئے اور بہت سی ایسی باتیں جنہیں داستانوں کا سبب سمجھا جاتا
 ہے وہ حسنِ نظر سے گئیں۔ ایک دوسری اہم بات میں نے کہی تھی اس کی عزت افسوس کہ کسی نے توجہ نہ دی
 اور وہ ہے کہ اگر اردو ادب میں داستان اور تنقید کی طرف توجہ کیے تو ہمیں بے شمار منتدیش، آفتابِ دید
 قیمتی پر دسترس ہوتی اور ان چیزوں سے مصروف کے کردہ اپنی تفسیخوں کو سوجھ سکتے تھے۔ زبان میں
 اساطیر اور داستانوں کا ایک ذخیرہ ہوتا ہے۔ شعر، اور ادب، پرداز سے ذخیرہ کی قیمتی چیزوں کو بے
 تصرف میں رہتے ہیں۔۔۔۔۔ یونانی اساطیر، یونانی دیوتاؤں اور دیویوں اور ان کی دلچسپ
 کہانیوں کا شریروپ کے ہر ادب میں نمایاں ہے۔ اردو میں داستانیں ایسے مزید جنسوں کا حصہ ہوتی رہا
 ہے یہی کام ادا کر سکتا ہے اور اگر صرف یہ جہت تو اردو ادب اور اردو زبان میں بیک جان پڑھائی نہیں
 اردو ادب میں داستان بہ تازہ سے گویا ہر مکتب عدم واقفیت نظر رہتی ہے شریہ کہیں ایک دھڑکتا دل میں
 بجائے۔۔۔۔۔ سینما، غم، ہمتی سے غم کی زمبیل۔ لیکن یہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ ایک غم کو لکھنے
 ان کی صورت، ان کی رسمیں، ظہور میری، جوں ایسا سی، ان کا حسن و ودی، ان کی نکاحات اور خصوصیات
 کی جہت کیلئے غم و غم سے ہمیشہ رقیق داستانوں کے اختراع کر سکتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ داستان
 سے مختلف قسم کے گریہ یعنی ساری آسان زبان میں کامل اختصار کے ساتھ کہوں کے سے لکھے جائیں۔
 اس طرح یہ چیزیں ہماری زبان، ہمارے شعور میں پڑ جائیں گی پھر آسانی یہ ادب کا ہر دن جاری ہوگی۔

اب فنِ داستان گوئی کو ہمیں چھوڑتے ہیں نے چارٹرڈ کرس بھی شان سے ہیں پھر دیوانہ بھا
 ہے۔ اس کی شانِ زور دل یہ تھی کہیں پرنسپل ڈیر کا ج تھا۔ کسی صاحب کو۔۔۔۔۔ اب نام یہ نہیں، اس کی ضرورت
 ہوئی اور کہا کہ اسے Royal Asiatic Society سے شہاد دیجئے۔ چنانچہ میں نے ان کو کوٹ لکھا اور
 انہوں نے بھیج دیا۔ میں نے بھی اسے دیکھا اور کہہ اس میں کوئی خاص بات نہ تھی لیکن اس کا ہندوستان میں
 داخلہ Royal Asiatic Society میں تھا۔ میں نے سوچا اسے شائع کر دیا جائے۔
 ان دنوں میں Current State کا لکھنا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کا ایک خصوصی اڈیشن تیار
 کر کے بھروسہ اصل کے ظہور پر شائع کر دیا۔ مقصد اس کے سوا کچھ اور نہ تھا کہ اس کا متن لوگوں کو آسانی

میں جائے۔ اب مُسنے۔ ابتدا میں میں نے چند سہریاں کچھ دی تھیں جس میں گویم کا قول نقل کیا تھا۔ کریم نے اس تذکرہ کی تاریخ ترتیب غلط دی تھی۔ ۱۸۱۴ء اور میں اس سے واقف تھا، اسی لئے میں نے اس تذکرہ کے بذریعہ صفحہ کی عکس تصویر دے دی تھی جس میں صحیح تاریخ ۱۸۱۲ء صاف دی ہوئی تھی۔ ساہب سال بعد میرے دوست غطاء الرحمن صاحب منطیہاے مظاہرین میں اس بات کی کٹ لڑی کہ کریم نے غلط تاریخ دی ہے اور تصحیح نہ دی تھی اگر وہ آذری صفحہ کی عکس تصویر دیکھ لیتے تو اعتراض کی ضرورت نہیں نہیں کرتے۔ بات یہ ہے کہ اڈتیسز کی طرح میرے مخائب و محبتی رشتہ میں جنہیں میں بخند بول کر وہ میری باتیں نور سے پڑھتے اور سمجھتے ہیں اس لئے میں چھوٹی چھوٹی باتوں میں انہیں نہیں جھٹاتا۔

اس سلسلے کی دوسری کڑی 'دو تذکرے' ہے جس میں تذکرہ شورش اور تذکرہ عشق کے اذکار ہوتے ہیں۔ سنے سنے پیش کیا گیا ہے۔ یہاں ایک نئی راہ نکلتی ہے۔ مجھے تو نہیں معلوم کہ مجھ سے پہلے کسی نے دو تذکرے زیادہ تذکروں کو اس طرح پیش کیا ہو ستمند حسن صاحب لکھا ہے :

ابھی کبیر صاحب کی تنقیدی تصانیف کے متعلق لوگ بحث و مباحثہ میں مشغول ہی تھے کہ ایک ایک تنقید کے مضمون سے بحث کر تحقیق کے نتیجے پر نوازا ہو گئے اور اس کے بعض میں ان کی نئی تالیف دو تذکرے بھی۔ یہ کتاب ان پر پہلا تحقیقی کارنامہ ہے کہ جو اس میں تحقیقی مواد کے قبیل میں ہے لیکن اس کتاب نے تحقیق کی دنیا میں ایک نئی روش ایجاد کی جس کی اور بھی دوسرے محققین نے عقیدہ کیا ہے۔ تذکرہ شورش اور تذکرہ عشق کو ایک ساتھ اس طرح شائع کرنے کا ایک شاعر کے متعلق دونوں تذکرہ نگاروں کے یہ سانسے سامنے کے صفحات پر مہول مقصد یہ ہے کہ دونوں تذکروں کے خدو و خدائے موجود ہیں اور قارئین خود فرق معلوم کریں۔ دونوں تذکروں کے زبانی تالیف میں تقریباً یکپیس سال فاصلہ ہے۔ اس فاصلے نے کیا فرق پیدا کیا ہے اور دونوں تذکرہ نگاروں کے مزاج و انداز اور موضوع و پیش کرنے کے انداز میں کیا فرق ہے۔ اس کی ہر مدح و مذمت واجب ہے۔ لیکن یہ جگہ انہیں خود قاری کو سمجھنے اور سوچنے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ اس کتاب کو میں تحقیقی ہر ماہ اس نے بھی نہیں کہہ سکتے کہ تذکرہ نگاروں کے سلیقہ کے متعلق جو ملاحظہ فرمیں ان میں دو چیزیں تک صحیح یا غلط ہیں ان کو جاننے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔

سید حسن صاحب نے یہ مقصد بھی بھی ہے اور نہیں بھی سمجھتا ہے۔ یہ مقصد تحقیق نہیں تھا۔ میرا مقصد اسی قدر تھا کہ دونوں تذکروں کے اختلافات نمایاں ہوں اور قارئین خود فرق معلوم کریں۔ دونوں تذکروں کے رمانہ سلیف میں تقریباً پچیس سال کا فاصلہ ہے۔ اس نے فطری طور پر اس فاصلے نے فرق پیدا کیا ہے اور پھر دونوں تذکرہ نگاروں کے انداز نگارش و روش و فنون کو پیش کرنے کے خاصہ باتوں میں بے فرق ہے۔ اس لئے میں نے ان کی تفصیل ضروری نہیں سمجھی بلکہ قارئین کے ذوق صحیح پر بھروسہ کر کے ان باتوں کو انہی کو سمجھنے اور سوچنے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ یہ تحقیق نہیں تنقید کا نام ہے۔ درمیان میں محققوں کی عاؤد گرس ہٹ کر الگ یاد رکھنا گئی ہے اس لئے سید حسن صاحب کا یہ اعتراض غیر متعلق ہے کہ یہ مکمل تحقیقی کارنامہ اس لئے بھی نہیں کہ تذکرہ نگاروں نے کسی شاخ کے متعلق جو معلومات فراہم کی ہیں وہ کمال تک صحیح ہیں یا غلط ہیں ان کو جاننے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔

میں سسے کی جو تہنی گڑی گلزار ابراہیم ہے اور قبول سید حسن صاحب کیلئے صاحب کو یہ بھی اُردو ادب پر ایک بڑا احسان ہے۔ گلزار ابراہیم کو ایڈٹ کرنے میں البتہ کاوش کی گئی ہے۔ پہلے تو کلیم صاحب نے پورے تذکرے کو اپنے ہاتھ سے نقل کیا اور پھر دو قلمی نسخوں اور نکلتن ہند سے متاثر کر کے اس کا متن درست کیا۔ اس کے مقدمے میں تحقیق سے فائدہ کام یہ کیا ہے۔ میں تذکرے کی خصوصیت کو نشاندہی و اہمیت کو طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ یہ تذکرہ درمیان میں کے دو خصوصی شماروں میں شائع ہوا ہے۔

میں یہ بات واضح کر دوں کہ ان جہتوں کی اشاعت محض اتفاقی امر ہے۔ دیوارِ جہاں کیسے اور کس مقصد سے شائع ہو سکتی ہیں ان کے تشبیہ گزشتہ ہے۔ قاضی عبدالودود صاحب کی فرمائش پر میں نے تذکرہ شورش اور تذکرہ شقی کی فوٹو اسٹیٹ کوپیاں پرنٹ یونیورسٹی لائبریری کے لئے منگوائی تھیں اور مجھے امید تھی کہ قاضی صاحب ان دو تذکروں کی طرف توجہ نہ کریں گے۔ جب انہوں نے اپنی دوری سے فیتوں کی وجہ سے توجہ نہ کی تو مجھے خیال ہوا کہ یہ دونوں عظیم آبادی تذکرے ہیں اور ان کی ترتیب میں تقریباً پچیس سال کا فرق ہے۔ میں نے یہ ترکیب سوچی کہ کیوں نہ سرک شرا کے صورت کو اپنے لئے شائع کر دیا جائے۔ اس طرح شائع کرنے سے بہت سی باتیں واضح ہو جائیں گی جو انہیں الگ الگ پڑھنے سے واضح نہیں ہوتیں۔ اسی لئے میں نے یہ طریقہ اختیار کیا ورنہ میں انہیں

حصہ حصہ بھی شائع کر سکتا تھا اور میں نے قارئین کی سمجھ پر بھروسہ کیا کہ جو فرق ہے وہ اسے خود سمجھیں گے۔
وہ تحریک کے حالات میں ہوا، اشعار میر ہو، طرز نگارش میں ہو یا واقعات کو پیش کرنے کے طریقے میں میرں برابر
یکوشتش رہی ہے کہ جو کچھ میں لکھوں اس سے قارئین سوچنے پر مجبور ہو جائیں۔ یہ نہیں کہ جو بات کہی جائے
وہ بغیر غور و فکر مان لیں۔ میں نے فصدایہ دیکھنے کی کوشش نہ کی کہ ان تذکروں میں تذکرہ نگاروں نے کسی تذکرہ
کے متعلق جو معلومات فراہم کی ہیں وہ کہاں تک صحیح یا غلط ہیں۔ یہ کوئی *emulation* نہیں بلکہ اردو کے
اور سب سے مناسب کو اس کی وجہ کا بھی متور بہت کم ہے وہ دیکھتے ہیں:

”در حقیقت کتبوں کا سب نے سارے تذکروں کو جمع کر کے ان کے ذریعہ اردو کے
کا ایک ایسا تذکرہ تیار کرنے کا منصوبہ بنایا تھا جو سارے تذکروں کا پختہ ہو جائے کہ یہ
تذکرہ کئی جلدوں پر مشتمل ہو گا۔“

تید محمد حسین کو بھی میرے اس منصوبے کا علم تھا دیکھتے ہیں:
”ان کے شوق تحقیق کا ایک شاندار دہے مثال نو ذکروں کا ایک قارئین گنجینہ ہے۔
ان کے پاس شعر و نثر کے تقریباً مکمل معروف و نامعلوم، قلمی و مطبوعہ تذکروں کا ذخیرہ جمع ہے۔ ان
تذکروں کی دستیابی، فراہمی میں کلیم الدین نے حیرت انگیز مستوری دکھائی اور جانفشانی اٹھائی ہے۔
کچھ تذکروں کی کئی نقیصہ شہر خیرچ کر کے لندن اور برلن سے منگوائی ہیں۔ دو چار تذکرے ایسے
بھی ہیں جنہوں نے ان کی نیند حرام کر ڈالی ہے۔ ساتوں رات جاگ کر ان کی نقل اُتارنے میں کلیم الدین
نے خاندانی اور پیداہستی کا بتوں کے بھی کان کاٹ دیے ہیں۔“

مباحثے قطع نظر، میرا ارادہ تھا کہ سارے تذکروں کو اکٹھا کر کے مہینہ بھر کے جو حالات مختلف تذکروں
میں سے ہیں انہیں ترتیب وار جمع کر دیا جائے۔ اور ان کے شروں کو بھی۔ اس طرح اگر آپ یہ جانتا چاہتے ہیں کہ
کسی شاعر سے متعلق تذکروں میں کیا معلومات ہیں اور ان کے کون سے اشعار نقل کئے گئے ہیں تو وہ ایک نظر
آپ کو مل جائے۔ پھر یہ بھی ارادہ تھا کہ چار پانچ جلدوں میں ان تذکرہ نگاروں کے حالات و زندگی کے تذکرے
پر مفصل تنقید بھی کی جائے اور یہ کام بہت آگے بڑھا بھی تھا تو قریباً سارے مطبوعہ تذکرے و قلمی تذکروں
کی نقیصہ یا ان کے فوٹو اسٹیٹ میں نے جمع کر لئے تھے اور ۵۰ فی صد کام ختم بھی ہو گیا تھا لیکن ۵۷ء کے
سیلاب میں جہاں میری ساری لائبریری تباہ ہو گئی وہاں ۱۰۰ م موٹی موٹی خالیں برباد ہو گئیں اور اب ذاتی

بہت بہت اور نہ تو سکتا باقی ہے کہ دوسرے اس کام کو شروع کیا جائے۔

سید حسن صاحب نے یہ تو ایک اور کتاب کا ذکر کیا ہے وہ ہے تاریخ نورا۔ وہ کہتے ہیں:

”کچھ صاحب کا ایک اور تصنیف یہ نام تاریخ نورا کی ساخت ہے جو موسیٰ صاحب کے ہاں

میں داخل ہے۔ تاریخ نورا بہت نواب و دودھ و اجیری تہ کے ان خطوط و مجموعے جو انہوں نے

یہ مجموعہ نواب نور مہاں نے لکھا ہے۔ کچھ صاحب نے اس کے دو غیر نسخوں کی مدد سے یہ

کتاب تیار کی ہے۔ دریں میں ایک مقدمہ بھی ملتا ہے کہ اسے کچھ صاحب کے تصنیف

انداز نظر کا پتہ چلتا ہے۔“

سید حسن صاحب کے اس بیان میں ایک غلطی ہے۔ تاریخ نورا میں نے اس کے دو غیر نسخوں کی

مدد سے یہ کتاب تیار کی ہے۔ تاریخ نورا کے صرف ایک دوسرے نسخے ہائے تم ہے جو یہی کیفیت ہے اور

میں نے مسعود حسن رضوی صاحب سے بھی دریافت کیا تھا کہ ان کی مدد سے اس کا کوئی دوسرا نسخہ کدرا

ہے یا نہیں۔ انہوں نے جواب دیا تھا کہ اس کا واحد نسخہ میں نے آپ ہی کے کمر میں دیکھا تھا۔ بات یہ ہے

کہ تاریخ نورا خطوط کے دو مجموعوں کا نام ہے۔ پہلا مجموعہ تو وہی ہے جسے میں نے ایڈٹ کیا ہے جس میں

واجد علی شاہ کے دو خطوط ہیں جو انہوں نے نواب نور مہاں کو لکھے تھے۔ سی۔ م۔ کا دور نسخہ خدائش

راہ پیری میں موجود ہے جس میں دو خطوط ہیں جو نواب نور مہاں نے واجد علی شاہ کو لکھے تھے۔ مہر

حق۔ ان خطوط کو بھی تاریخ نورا میں اور اس کی نقل بھی محمود حسین صاحب کی تھی جس کی تاریخ

نواب نور مہاں نے لکھی ہے۔ تاریخ نورا میں یہ خطوط اس نے لکھے ہوئے نہیں تھے بلکہ اس کی طرف سے اس کے

رخسہ داروں نے لکھے تھے۔ اسی میں نے سے تو مل تو نہیں سچا۔ ایک بات اور کہ دونوں میں نے

تاریخ نورا کی ایک اپنی محضی قاضی غلام دودھ صاحب کو بھی دی۔ اسی کے بعد دائرۂ دب کی

میں آئی تھی۔ اس میں قاضی صاحب نے لکھا کہ واجد علی شاہ نہایت پُر آدمی تھا۔ اس کی دوسری

بیان تھیں۔ میں نے کہا وہ پُر آدمی بھی لیکن جو کچھ اپنے معذرت میں نے لکھا ہے وہ تاریخ نورا میں

میں ہے۔ یہ کتاب مجھے ڈاکٹر کے۔ کے۔ دست سے ملی تھی اور یہ واجد علی شاہ کی تاریخ نورا میں

ان نسخوں سے مردن کی تھی۔ دراقبہ سرت کشیش کے لئے تھی جو بھی National Archives

میں محفوظ ہے۔ بات یہ تھی کہ انگریزوں نے واجد علی شاہ کے سرت کشیش Treasury کا مسودہ

پیش کیا تھا جس کی رو سے وہ Titular king رہتے اور ان کے سارے اخراجات انہیں
 سے ہتے۔ صرف مددِ ملت کے انتظامی امور Administration پر انگریزوں کا مال
 دھڑ ہوتا۔ واجد علی شاہ نے تخت چھوڑنا پسند کیا لیکن اس Treaty پر دستخط کرنے سے انکار کر
 دیا۔ بات یہ ہے کہ کوئی شخص بالکل لچر نہیں ہوتا اور نہ کوئی شخص کامل ہوتا ہے۔ ایک لچر آدمی بھی جراثیم
 یا بوشہندی کا کام کر سکتا ہے اور ایک بظاہر کامل آدمی سے بھی غلطیاں سرزد ہو سکتی ہیں اور جہاں تک
 دوسویوں کا سروکار ہے تو ہندوستان کے راجاؤں، مہاراجاؤں اور نوابوں کے یہاں ایسی بہت سی
 مثالیں ملیں گی۔ آخر شرع نے درجہ حریم پھر کس لئے لکھا۔

بہر کیف! ان کتابوں سے زیادہ اہم میں نین مضامین، کو سمجھتا ہوں جو ابھی کتابی شکل میں شائع
 نہیں ہوئے ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) تذکروں کی جنگ، (۲) شاعروں کی نوک جھونک، (۳) شاعر لوگ
 میں نے کہا ہے کہ تذکروں میں شہر کی زندگی، شخصیت، تنقید اور اس کے مزید کلام کے علاوہ اور بھی
 دلچسپ باتیں ملتی ہیں جیسے سیاسی، تاریخی یا معاشرتی اشعار۔ یہ تصویریں اور ان کے علاوہ شاعروں سے
 متعلق بہت سے دلچسپ قصے بھی ملتے ہیں۔ سین وگ تذکروں کی درقی گردانی کرتے ہیں اور ان سے
 اپنے کام کے اقتباسات لے لیتے ہیں۔ جو گ تذکروں کو ایڈٹ کرتے ہیں ان کی توجہ بھی ان باتوں کی
 طرف نہیں جاتی، یا جاتی ہے تو کم جاتی ہے، یا وہ ان کی اہمیت کو نظر انداز کرتے ہیں۔

سید حسن صاحب دو مقالوں کا ذکر کیلئے۔ شاعروں کی نوک جھونک اور شاعر لوگ۔
 غالب پہلا مقالہ جو ان دو مقالوں سے پہلے شیخون میں شائع ہوا تھا ان کی نظر سے نہیں گذرا۔ یہ مقالہ
 مجھے غلام محمد صاحب نے لے کر شمس الرحمن فاروقی صاحب مدیر شیخون کو بھیج دیا تھا اور انہوں نے
 یہ بات نوٹ کی تھی کہ کسی نے اس طرح تذکروں پر نظر نہیں ڈالی ہے۔ یہ مقالہ اس وقت پیش نظر نہیں
 کیونکہ شیخون کا نیا ہی تو نذر سیلاب ہو گئی اور تراش کے باوجود مجھے شیخون کا وہ شمارہ ابھی تک نہیں
 مل سکا ہے جس میں یہ مضمون شائع ہوا تھا۔ بہر کیف اپنی یاد کی بنا پر میں کچھ باتیں اس مقالے سے متعلق یاد رکھتا ہوں۔
 میر نے نکات الشعراء کیا لکھی کہ اس کا رد عمل فوری ہوا اور تادیر قائم رہا۔ بات صرف اتنی
 تھی کہ جہاں میر نے بہت شاعروں کی تعریف و تحسین کی تھی وہاں انہوں نے بعض شعراء کی تنقید بھی
 کی تھی۔ مثلاً :-

(۱) اذکسار۔ شریعت می گوید و خود را دور می کشد و بسیار سفلی می کند بکذا تک آبی
بلک یختہ را باب رسانیده۔

(۲) ثاقب۔ در همه چیز دست دارد و بیچ نمی داند۔

(۳) یکر و۔ دوسر مرتبه در مجالس ختم دیدہ ام بآنکہ پچمان فن ریختہ بود لیکن خود را مہ
داں می شمرد۔

یہ تو عام باتیں تھیں۔ تیر خاص خاص نکتوں پر بھی اپنی رائے دیتے ہیں: مثلاً:

(۱) حاتم: دیکھو طور س دور کا حاتم میں کی ترک شراب یاد کر کر سب زردیاں کو وہ اب پتیاب ہنگ

پھر لکھتے ہیں: در لفظ سب زردیاں تال کردن ضرور است زیرا کہ آشنائے گوش بیج دایان نیست۔

(۲) محمد شاہ گزنہ جی: دیکھ ہم صحبت کی دولت نہ رکھ چشم کرم لب صدف کے تر نہیں بہ چپ گوہر آب میں

تیر کہتے ہیں: بر متل پوشیدہ نیست کہ پیش مصرعہ این چنین می بایست طعنت رکھے

چشم کرم دولت سے اپنے خوردگی۔

(۳) یقین: مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہر داغ مجھ کو کب عیش دے گیا ہے ظالم دوا زہن میں

تیر کہتے ہیں: اگر بجائے خوش نصیبی خوش معاشی می گفت این شعر بسیار بامزہ می باشد۔

سنتہ کے ور بہت سے اعتراضات تھے لیکن تیر کا اصل جرم یہ تھا کہ انہوں نے یقین

سے مستحق لکھا تھا۔ دو گوں کا خیال ہے کہ یقین کو مرزا مظہر جان جاناں غزلیں لکھ کر دے دیا کرتے ہیں اور

یہ بھی لکھا تھا کہ یقین سے دو گوں نے غزل کہنے کی فرمائش کی لیکن وہ ایک شعر بھی نوزوں نہ کر سکے۔

اس قسم کے اعتراضات سے ان شعرا کے جواب فطری طور پر برا فروختہ ہوئے۔ خصوصاً یقین یہ

جوانوں نے حملہ بول دیا تھا اس کا شاید یہ رد عمل ہوا۔ اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ فتح علی حسینی نے فوراً اشعار

کا جواب لکھا۔ تیر کا ذکر نہیں کیا لیکن روئے سخن تیر کی طنز ہے کہتے ہیں کہ: تذکرہ ہائے افغان زبان

کے دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی تالیف کی منت فانی "خردہ گیری ہمسایہ وستم غریبی بامعاہرانت"

انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی ایک تذکرہ لکھیں جس کی بنا انصاف پر ہو۔ بہر کیف مقصد جو کچھ بھی ہو ان کے

تذکرے کی بنا نکات اشعار پر ہے اور اگر شعرا کے تنعم انہوں نے نکات اشعار سے نقل کر لیے ہیں

اور اپنے دوست یقین کی تعریف، مبالغہ آمیز تعریف کہ ہے اور تیر کے رتبے کو کم کرنا چاہا ہے۔ میر سے

متعلق وہ صرف اسی قدر لکھتے ہیں :

”فقریر اشعار نس نمودہ و چشے آب دادہ۔ حقا کہ دران تلاش معنی بیکانہ کردہ است

و حرف اشعار ابروئے کار آوردہ۔“

انہیں لفظوں میں حسرت کا بھی ذکر ہوتا ہے اور جہاں سجاد کے کلام کا نمونہ گیارہ شعروں میں پیش کیا گیا ہے وہاں میر کا صرف ایک مبتذل شعر نقل کیا گیا ہے۔

جب نکات الشعرا حیدر آباد پرنسی اور شفیق کی نظر سے گزری جو یقیناً کما حقہ تھا۔ اس نے میر پر محنت اعتراضات کئے۔ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ نکات الشعرا کا ایک رد عمل تذکرہ شورش میں بھی ہے ایک مختصر سے اقتباسات سے یہ بات ظاہر ہو جائے گی۔

”میر۔ شاعر بے نظیر محمد تقی میر مخلص شاگرد خان آندہ توطن اکبر آباد فی الحال در شایعہ آباد تشریف می دارند و غیر شاعران دہلی خود راحی دانند چنانچہ در تذکرہ خود شعر شاعران ہندوستان غلط تفسیر نمودہ، مرقوم ساختہ۔ اگر غلط بدست نیامد تا ہم اعتراض بجا و اصلاح خود جاری نمودہ و زندہ و مردہ کسے را بسلامت نہ گذاشتہ۔ بعضے اعزہ کہ از دم ربوط بودند آن را محض غلط داشتہ۔ غرض عجب کسے است و در تذکرہ مذکور خود را سید نوشتہ اند مردمان می گویند کہ شیخ است چنانچہ کہے گفتہ :

شیخ تقی نام ہو اور میر کہا دے

از دوست :

میر کے قابل ہے دل بند پایہ اس پنجر کا جس کے یزید نے میں ہو ہو سستہ پیکان تیر کا
در شعر اول قطع افادت درست داشتہ اند نزدیک شاعران دہر درست نیست :-

یہ بھی ایجاد میر صاحب ہے

ازیں قبیل۔ نکات الشعرا کا رد عمل اور اس کے *Reverberations* کلمات میں

بھی ملتے ہیں۔ آناد لکھتے ہیں : ”دیباچہ میں فرماتے ہیں کہ اردو کا پہلا تذکرہ ہے اس میں ایک ہزار شاعر کا حال لکھوں گا۔ مگر ان لوگوں کا نام زلوں گا جن سے دماغ پریشان ہو۔ ان ہزار میں ایک بیچارہ بھی طعنوں اور ملامتوں سے نہیں بچا۔ ولی کہ بنی نوع شعرا کا آدم ہے اس کے حق میں فرماتے ہیں :

”وہ شہرتِ شیطانی مشہور تھے“ پھر میر کی شخصیت کو بہت ناگوار بنادیتے ہیں۔ ان کی خود پسندی خود بینی، بر مزاجی، غرور کو اس قدر اچھلا ہے کہ میر کی شخصیت ناگوار اور برنا ہو گئی ہے۔ ایک مثال کافی ہے۔

”اگر یہ غرور اور بے دہائی فقط امرا کے ساتھ ہوتی تو میوہ نہ تھی۔ افسوس یہ ہے کہ

اوروں کے کس بھی نہیں دکھائی دیتے تھے۔ خواجہ حافظ تیرازی اور شیخ سعدی کی مثال

یڑھی جائے تو وہ نہ ہلانا کہہ سکتے تھے۔ کسی اور کی کیا حقیقت تھی“

اختصار کے باوجود بھی مضمون بننا ہوتا جا رہا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تذکرہ گو بھی انسان

تھے۔ ان میں انسانی کمزوریاں تھیں آپس میں جھگڑائیں تھیں اور یہ جھگڑائیں تادیب ہوتی رہیں۔

تذکرہ نگار۔ در ک طرح در ن سے زیدہ شاعران میں جھگڑائیں ہوتی رہیں۔ اس سلسلے کی دوسری

کڑی یہ اب مقابلہ شاعران کی نوک جھونک ہے۔ جس میں میں نے بہ دکھنے کی کوشش کی ہے کہ انگریزی

میں جہاں اس طرح کی نوک جھونک کا نتیجہ کوئی فنی کارنامہ ہوتا ہے۔ یہ کوئی گہری تنقید، اردو میں اس قسم کی چیز

نہیں ملتی۔ مقالہ بہت حویل ہے۔ اس لئے میں صرف اپنے Conclusions بیان کر دوں گا۔

سبھی نے Peter Bell the third لکھی اور اس میں کورج در در ذرا فرق پر مبنی

کی لیکن یہ غلط تنقید تھی۔ بک بند دیکھئے۔ یہ کورج ہے :

He was a mighty poet-and

A subtle-souled psychologist

All things he seemed to underst and

Of old or new-of sea or land

But his own mind which was a mist

He was a man who might have turned

Hell into Heaven and so in gladness

A heaven unto himself have made

But he in shadows undiscerned

Trusted-and damned himself to madness

گر آپ کو لرج سے واقف ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ یہاں دلالت کی خوبیاں اور اس کی کمزوریاں دونوں کا بے مثل بیان ہے اردو شکر کی صورت حال کچھ اور ہے۔ اس مقالے کے آخر میں ساری بحث کامیاب نے خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ یہاں اس خلاصے کا بھی خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

دلی اور ناصری کی نوک جھونک شکوک ہے منظر جان جاناں ورا آبرو کا معاملہ بھی کچھ یوں ہی سا ہے۔ نہ جگ نے منظر جان جان کی شان میں ہزل کہی۔ سودا نے لسنہ جان جان کی زبان پر غوغا کیا کہ یہ ذیسی ہے نہ رختہ۔ ضاحک نے سودا کی ہجو کہی لیکن اس میں تنقید بس اسی قدر ہے۔ دل کا ذبیہ جل کرے۔ اور بکروہ تقطیع کی نہیں ہے خبر۔ سودا نے قائم کی ہجو میں کام کی بات عرض کی ہے اس کی سات مینوں میں پانچ ہیں مبتدل بے معنی دو، اور کمین اور اس کے متبعین پر اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ نوزم الفاظ کے مہل دہانے تھے۔ سرت کشمیری کی ہجو میں اس کی زبان اب جھونک بڑا غر۔ انہی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ زور قلم سودا نے سبیل ہدایت میں صرف کیا جس میں یکسو درخت کی بات تفصیل خامیاں دکھائی۔ میر کا میدان ہجو نہ تھا بقا کی ہجو میں بھی ادبی کلمے نہیں ملے البتہ حجام کے ساتھ ساتھ کچھ چھینٹے سودا پر بھی پڑ گئے ہیں۔ اتفاقاً میر پر سرت کا الزام لگایا اور سودا اور میر پر اعتراض کیا۔

شعر سودا و میر کے دیکھو وہ تو تو گریں ہیں یہ میں میں

منصفی نے سودا کے خدیت خوب نہ لکھا۔ ان کی دقت کے بعد۔ سودا کو معاف فرمائی میں ناقص تھے۔ ان کی تعریف مانا دیوں تک بخود دھو لیکن منصفی نے مزے نہیں دیں۔ اس کی مہم جیسی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ سودا کے شاگردوں نے منصفی کا جواب دیا کہ ان کے شعروں پر اس قسم کے اعتراضات کئے جو اس زمانہ میں رائج تھے۔

منصفی دانت میں سخت ناک جھونک مونی کہ جھونک جھونک کی حدت رختہ گریں اس میں تنقید کا جزد نہ ہونے کے برابر تھا۔ سرت کی ان زبان پر کلمے جیسی ہونی ان کی کمزوریوں میں اسی قدر ہے۔

بلور گو درست ہو لیکن ضرور کی خواہی خواہی اس کو نزل میں کھپا

اور منصفی کی بھی اس قدر:

گردن گندہ امی کے لئے وضع ہے۔ اداں بے جبے خم بادہ انگور کی گردن

اس نے عظیم بیگ کے ایک مٹے پر جواڑا۔ اسی کی کہ دوسری بحر میں جا پڑا ہے۔ بحر میں ڈال کے بحر میں ہے۔ اس کا جواب عظیم بیگ سے نہ بن پڑا۔ جرات اور نوا کے معارف میں اول ذہن نہیں۔ نہ تنقید میں بھی نوک جھونک ہوئی اور خوب ہوئی لیکن مفید کتے نہیں ملتے۔ تنقید کے متعین نے بقول آزاد جواڑا۔ اذت آتش پر کئے وہ کسی حد تک درست تھے لیکن ان کی نوعیت نقی گرفت سے زیادہ نہیں۔ غش، سیم (بفتح کاف وری) پستی وغیرہ۔ نقیہ ذوق میں بھی نوک جھونک لیکن نوعیت یہ تھی کہ سنگ میں آتش کا ثبوت چاہیے، اس شعر میں روانی کا ثبوت جس ہے، بھول ٹوٹے میں ڈال کر نہیں بھیجتے، دونے میں ڈال کر زیادہ مناسب ہوگا۔ تو من پر بھی در مدت ہوئے کہ تم، شمر، سلم کی در و در زن کی سی ترکیب استعمل کی۔ غائب کی شکل سیدی پر خوب دے دے ہوئی۔ حکیم آج کل قیاس نے یہ قطعہ کہا:

اگر پانی تم آب ہی سمجھے تو کیا سمجھے مزا کہنے کا جب ہے اک کے اور دور کچھ
کلام مہیر سمجھے در کلام نیر نہا سمجھے مگر اپنا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے
اور غائب نے اس قسم کی ساری شکایتوں کا جواب ایک شعر میں دے دیا:

دست آتش کی آتش۔ مے کی پردا گر نہیں ہیں مے اشعار میں معنی نہ سہی
یہ دیکھ کر کہ اس کی نوک جھونک میں کوئی خاص ادبی کتے یا تنقیدی ثابت نہیں ملے۔
ن کی شخصیت پر استدلال پڑتی ہے جس کی تفصیل میں میں سر دست جانا نہیں چاہتا۔

م سے لے کر تیسری زدی "شائن لوک" (تذکروں کی روشنی میں) ہے۔ اس مضمون کو یہ
کر سید حسن صاحب نے کہا کہ آپ نے character assassination کیا ہے۔ حالات میں نے
جو کچھ لکھا ہے اسے حسب دستور تذکروں سے متعدد اقتباسات دے کر ثابت کر دکھایا ہے۔ میں نے
کہا ہے کہ اردو ادب کی زندگی کے نجی واقعات نہیں ملتے باطلے ہیں تو اس قدر کم کہ نہ ہونے کے
برابر۔ اس نے جو حالات بھی بل جائیں ان کی اہمیت ظاہر ہے۔ اردو میں یہ شیوہ رہا ہے کہ خطے برقا
کرتن خطا ست اور پھر یہ بھی ہے کہ مردوں کو خیر کے ساتھ دیکر داور حبیب کر میں نے لکھا ہے یہ
طریقہ عمل کچھ اردو ہی تک محدود نہیں۔ انیسویں صدی تک یورپ میں بھی پردہ داری جوتی تھی۔ اچھی

باتوں کا اشتہار ہوتا تھا اور بڑی باتوں کی پردہ داری۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بزرگوں کی خعادوں، ان کی کمزوریوں پر پردہ ڈال دیا گیا۔ پھر بھی جب یہ خطائیں مد سے گزر جاتی ہیں، جب ان کی کمزوریوں کا مگلی کوچل میں چرچا ہونے لگتا ہے، جب کجروی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ چھپائے نہیں جتی تو اس کی طرف اشارہ ناگزیر ہوتا ہے۔ تذکروں کی ورق گردانی کیجئے تو ایسے ہی کچھ اشارے مہر جاتے ہیں۔ ان اشاروں کو ستر انداز کو ناحقیقت سے گریز کرنا ہے۔ ان اشاروں سے یہ چلتا ہے کہ ہمارے شعرا بھی سیدھے اور سنگ۔ سنے۔ بہت بھٹکتے رہے ہیں۔ اس بات کا احساس ہونا بہت کمزوروں کی غزلیوں کو پورا کرنے میں ان کی غنیمتوں میں کیسے بیچ و خم پیدا ہو گئے ہیں وہ فن کے سہارے ابھرتے ہیں، مہند پروازی کرتے ہیں اور پھر اسی فن کی بدولت غرذلت میں بھی گرتے ہیں۔

یہ میر کو بھیجئے۔ ان کی شاعری ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ لیکن اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں کہ میر کی شخصیت میں بہت ساری ایسی کجرویوں محسوس نہیں۔ اپنا مشکل ہے۔ ان کی بددعاؤں اور ناذک مزاجی افسانہ بن گئی تھی جس کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ میر کو بھی اس بات کی خبر تھی: بے محسوس میں، مرام میر بے دماغ۔ از بس کہ کم دماغی نے پایا ہے اشتہار۔
بیس صوفی بھی نہیں کہتے ہیں کہ *Genius* اور دیوانگی میں حد فاصل بہت کم ہے اور یہ کہ متعلقہ روایتیں ملتی ہیں کہ عفتوان جوانی میں وہ اپنے دماغ کا تاذن کھو بیٹھے تھے۔ دوسری کجروی عشق سادہ رویا تھی۔ میر خاں سار کے منظور نظر تھے اور جن لفظوں میں وہ میر عبدالحی تاجاں کا ذکر کرتے ہیں ان سے ان کی افتاد طبیعت کا پتہ چلتا ہے۔

شعروں میں جو عشق سادہ رویاں کی مثالیں ملتی ہیں وہ صرف رواج زمانہ کے مہذب نہیں۔ ان کی بنا حقیقت پر تھی۔ میرزا مظہر جان جاناں کی خانقاہ حسن و جمال بڑی پرکیر تھی۔ ایک سے ایک، حسین اور جمیل تہ گرد در صف کجوش کا جنگھ رستا۔ یقین، فقیہ، درد مند، تاجاں نوان کے منظور نظر ہی تھے۔ میر عبدالحی۔ تاجاں معشوق، شاعر مزاح تھے۔ بقول قاسم آخر ہائے روزگار اعداں تیرن ادا و سادہ رویانِ طاہر آمارِ خانہ وے بنور زویر آراستہ ویر استہ می شوند حسب الطلب۔ اے قزلباش درمہا نہ شمشہ شب نمرانی رفتند۔ اور تاجاں خود بھی ایک سیدہ و بان نام ار کے پرہیز تھے۔ میرا حیدر، ذکر غلام احمد، دوست، ذکی، سیتم، رسوا، رضا، شرف، بلبل

یہ سنی نقی کافر سپہی، تافل، فدوی، لاہوری، نندہ وارث الدین وارث، تہ محمد وقف وقف، میر ہبیب، تہابت، محمد امام بخش، دل، سید نور الحق منعم، خواجہ بخش منتظر، نور اللہ مرزا، میں نے۔
 منت، بخش سر س، کا، مہربا، جوئے۔ خواجہ بہرے بخش سادہ رویاں شعروں کی حدود سے گذر کر زندگی کا جزو بن گیا تھا اور لطف یہ ہے کہ تذکرہ نگار بھی سے برا نہیں سمجھتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ تذکرہ نگاروں میں بے حسین لفظ و سنی رئیس عبارت کا استعمال ہوتا ہے جس سے بذمیت ظاہر ہوتی ہے۔
 یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سب فراق کے ہمنوا ہیں۔

”در امر پرستی کے باب میں آپ کا کیا خیال ہے؟ جو کہ خود آپ اسے نہ فطری کہیں، خواجہ کردہ اور ذیل، خواجہ آپ تعزیرات بند کا سہارا لیں۔ یہ یاد ہے کہ جو دگ امر پرستی کے مرتکب ہے، میں وہ نہ تو خود جرائم پیشہ ہوتے ہیں، نہ ذلیل و ذلیل، نہ کیسے نہ عام طور سے خراب آدمی ہوتے ہیں۔ بلکہ کسی امر پرست تو اخلاق و قلندر اور روحانیت کی تالیف کے مشابہ ہے میں جیسے سقراط، سیرن، میل ایجنڈ، مسٹر، شبکیہ، وردینا بھر میں جو لکھو کھا آدمی امر پرست ہے میں، وہ نہایت شریف آدمی ہے میں۔“

سب ایک دوسری کچی کویتے، سوسائٹی کا کچھ ایسا حال تھا کہ عشق اور ہوس پرستی میں کوئی فرق نہیں تھا جس طرح امر پرستی کا رواج تھا اسی طرح ہوس پرستی عام ہو گئی تھی۔ یعنی ہوس ہوس کے ہوس پرستی، ہوس کی ہوس کی ہوس کا معشوق بیوا ہے اسی لئے اس کے چٹھن برے میں جس قسم عشق کی رنگین داستانوں سے رُود و شادی بھری پڑی ہے وہ عشق extra-marital ہے۔ وہ ذات ہوں یا داغ، بھی عشق کی غزال خوانی کرتے ہیں:

غالب: دئے سہا بھر کسی کو لب بام پر ہوس زلف سیاہ رخ پریشاں کے ہوئے

کے نو بہار ناز کو تھکے ہے پھر نہ وہ چہرہ فروغ سے گستاخ کے ہوئے

داغ: جنوں تنی میں بھر ہاتھ میں تن کے نیچے میں کسی کی آج آئی ہے جو وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں

یہ اٹھنا بیٹھا مٹھل میں اک دن رنگ لایا گیا قیامت میں کے ٹھیکے بھجوا بن کے بیٹھے ہیں

اور عرف یہ شعروں تک محدود نہیں۔ یہ جو ہوس پرستی کی کا جزو بن گئی تھی میر تقی علی آزاد،

شیخ بہت، تہ قرین، میر حسین حسینی، نووی سر اللہ منعم، محمد طاہر زخشاں، میر محمدی داغ، میر قمر الدین منت،

یہ جس، احسن، ندر، خال احسن، سیح، ظہور، ابدین، حاتم، فضا، علی، خوں، فضا، علی، جہرات،
 نو، من، شیفتہ، غائب، کے، مردہ، دوزخ، کتے، عشق، پشہ، حسن، پرست، عورت، او، باش، رند، شرب
 کذب میں تفصیل کی ضرورت نہیں، ان کے کافی ہیں، اور ہوس کی طرح، بدہ، خواری کی مثالوں کی
 بھی کثرت ہے۔ حدائق، ہاں کی ایک extreme مثال ہے، یکن، تنہا، نہیں، حیرت، سکندر،
 حاتم، سو، غائب، اقبال، بدہ، بدہ، غرض، اچھ، تہ، اخلاقی، نقطہ، نظر سے اچھا، انسان، ہنسی،
 جس، تہ، ہاں میں ہر قسم کے لوگ ہیں۔ ام، دیرست، رند، حبش، و، ہنس، سکندر، سر، پو
 رہند، اندھے، بہرے، پاک، جذا، محنت، ہزار، غرض، کلبائے، رنگ، رنگ سے
 ہے، زینت، جن۔

میں نے ان میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھا، ان کے شاعروں کی نوک جھونک، انشاء، دیکھ کر
 کچھ تفصیل سے اس کے بارے میں ایک تو وہ بھی کتنی شغل میں شائع نہیں ہوئے ہیں۔ دوسری بات یہ
 ہے کہ ان کے تذکرہ نگاروں کی ورق گردانی سمجھ کر رہے ہیں، لیکن ان میں سے ان کے انداز، نظر جدا ہے، طبعی کار
 بھی حدایت اس لئے ان میں ایک قسم کا نیا پن ہے جو دہشتی کا سبب بن جاتا ہے۔

تغیبات کے سلسلے میں صرف ایک اور کتاب کا ذکر کروں گا اور وہ تہذیب، شاد، و، اوستن
 ہے، میرے شعرا کے دواویں یوں تحقیقی کام کرنے والوں کا تذکرہ مشق میں۔ عموماً طریقہ کار یہ ہے
 کہ کسی شاعر کے دیوان کے جتنے نسخے مل سکتے ہیں انھیں اکٹھا کیا اور اختلاف نسخہ کی بعد احتیاط حواس
 میں نشاندہی کی۔ مجھے اس طریقہ کار میں بہت کچھ سچی ملاحظہ حاصل معلوم ہوتی ہے، میرا خیال ہے
 کہ وہی نسخہ اہمیت رکھتے ہیں جو شاعر نے خود لکھے ہوں یا جو اس کی نگرانی میں لکھے گئے ہوں، جو اس
 کی زندگی میں لکھے گئے ہوں یا زیادہ سے زیادہ جو اس کے قریبی دوستوں یا عزیز تہذیبوں یا
 معاصرین نے سمجھے ہوں، ان کی۔ ان میں لکھے گئے ہوں۔ ورنہ ایسے نسخے جو صرف در نقل ہوں، درود
 بھی جو شاعر کی زندگی میں نہیں لکھے گئے ہوں ان کی کوئی خاص تحقیقی یا تنقیدی وقعت نہیں۔ یہ حاتی
 ہوتی بات ہے کہ کاتب نقل کرنے میں غلطیاں کرتے ہیں۔ کچھ وہ سہمی کیسانی کی وجہ سے بیعت
 اکتا جاتی ہے اور *After boredom* کی وجہ سے توجہ بھی چوک جاتی ہے اور نظر بھی۔ کچھ
 اس وجہ سے بھی کہ ایک بے دیوان کو نقل کرنے میں غلطیاں کا انتخاب فطری ہے۔ تاہم ہاتھ اور قلم

دونوں بھگ جاتے ہیں۔ یعنی یہ خطیں غیر شعوری ہوتی ہیں کچھ خطیں شعوری بھی ہوتی ہیں بعض کا تب قصد تغیر و تبدل کر دیتے ہیں۔ خصوصاً پڑھے لکھے کا تب دن بوجھ کر شاعر کے کلام پر اصلاح کر دیتے ہیں۔ اس کے شعروں کو بہتر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے اختلافات جو شعوری یا غیر شعوری طور پر کا تب کے زبردہ ہوتے ہیں ان کی کوئی اہمیت نہیں اور ایسے اختلافات کو گزشتہ زمانہ صرف وقت کی بریادی ہے۔ متحدہ بخش لبریری میں راسخ کے دو نسخے ہیں۔ میں نے ایک نسخہ دیکھا جو ان دو نسخوں میں سے ایک کی نقل ہے۔ اس نسخے اور جنس نسخے میں کچھ اختلافات ہیں لیکن یہ اختلاف صرف کا تب کے ہوتے ہوئے کا نتیجہ ہیں اس لئے ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ جب اصل تک رسائی ممکن ہو تو پھر نقل کی طرف توجہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کا تب شروع کا مصرعہ بدل دیتا ہے۔ دو شعروں سے ایک شعر بنا لیتا ہے۔ الفاظ کا رد و بدل تو اس کے ہاتھ کا کرتب بنتا ہے۔ کا تب کی شعوری یا غیر شعوری تحریف کو نوٹ کرنا حاصل ہے۔ البتہ اگر اس بات کی نشاندہی کی جائے کہ کہاں کہاں غیر شعوری یا ارادی تحریف ہوئی ہے تو وہ ایک مفید چیز ہو سکتی ہے۔ نیز یہ توجہ معروضہ تھا۔

قبت شاد میں مجھے حسن اتفاق سے سید نقی احمد ارشاد سے چند قابل وثوق نسخے مل گئے۔ ایک تو تکیہ شاد جلد سوم بخط شاد، دوسرا قص نسخہ دیوان اول ہے جس میں شاد نے پہلی بار اپنی غزلوں کو ترتیب دیا تھا۔ تیسری چیز بیاض شاد مسک پر و فیروز کی الحقیقتی جس میں شاد کے مرثیوں کی اولین شکلیں ہیں۔ بس کچھ غزلیں بھی ہیں۔ چوتھا نسخہ ریاض عمر کے دو جز تھے۔ جو شاد نے خود شائع کئے تھے لیکن دیوان دو جز سے آگے نہ بڑھا سکا۔ پانچواں نسخہ کلام شاد مع اصداغ شاد۔ قاضی عبدالودود صاحب نے شاد کے منتخب کلام کی اشاعت کا ذمہ لیا تھا۔ یہ اس سلسلے کی پہلی کڑی تھی جس پر شاد بہت برہم ہوئے تھے اور اس کے ایک نسخے کو بقول خود خرید کر انہوں نے اصداغ سے رنگ دیا تھا۔ چھٹا نسخہ دیوان مفہم ہے جسے شاد کے بھانجوں نے کل سات دہائیوں سے ملا کر اشعار ردیف الف کو مرتب کیا تھا۔ ساتواں مطبوعہ دیوان ناکمل مع فارسی دیا چھ ہے جس میں صرف آٹھ غزلیں ہیں۔ ان کے علاوہ وہ اصداغات ہیں جو شاہ غطاء الرحمن صاحب نے شاد کی زبانی سن کر قلم بند کر رکھی ہیں۔ کہنے کی غرض یہ ہے کہ یہاں کا تب درمیان نہیں اور زیادہ

سے زیادہ اختلافات خروج کئے گئے ہیں وہ دراصل اصلاحیں ہیں جو شاد اپنے شعروں پر کرتے رہتے تھے۔
 ”عام نقطہ نظر کے مطابق شاعر محض ایک ساز ہے جس کے پردے و جہان کی ہوا سے بچے ہیں۔
 وہ نمود کا خالق نہیں ہے، محض ایک حساس آلہ ہے، تشبیہ و مفراب ساز ہے اور جس کی تشنگی کو وہ جذبہ
 اپنے من کی توجہ کے مطابق رفع کرتا ہے۔ یہ نقطہ نظر حقیقت سے دور ہے۔ کم سے کم یہ پوری
 یا ادھوری حقیقت بھی نہیں۔ اگر شاعروں کے اوزر بکمل مسودوں کو دیکھ جائے تو یہ بات بین طور
 پر واضح ہو جائے گی کہ شاعر مجبور نہیں بنتا رہے۔ وہ صرف و جہان پر بھروسہ نہیں کرتا، بلکہ
 شعوری طور پر خود و فکر کرتا ہے، کاوش کرتا ہے، فنی ٹکٹوں، بیان اور حسن بیان کی دشواریوں
 سے واقف ہوتا ہے۔ انگریزی شاعر کے بہت سے اوزر بکمل مسودے محفوظ ہیں اور انہیں دیکھنے
 سے ان کی ذہنی کاوشوں کی تصویر جاگڑ ہو جاتی ہے۔ کیسے اور کتنے مرحلوں سے گذر کر نظیں
 اپنی آخری کامیاب صورتوں تک پہنچتی ہیں۔ انگریز شعری مسلسل ذہنی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ کیفیات شاد
 سے اس حقیقت پر کافی روشنی پڑے گی۔ اگرچہ سارا مواد نہ مل سکا لیکن جتنی اصلاحیں یا اختلافات
 حواشی میں درج ہیں۔ اسے مسلسل شعری نوک بینی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اقبال نے کہا ہے۔ سنی پیہم ہے
 تر از دے کم و کیف حیات۔ کہہ سکتے ہیں کہ سنی پیہم تر از دے کم و کیف شاعری ہے۔ ان اصلاحوں کی
 اہمیت یہ ہے کہ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ شاعر سنی پیہم کی اہمیت سے واقف تھے اور اس پر عمل بھی
 کرتے تھے۔ انگریز فن کارانہ حیثیت سے شعر کو انہوں نے اپنا آرٹ نہ لیا تھا۔ یہ نہیں کہ شاد آرٹ
 برائے آرٹ کے قائل تھے۔ لیکن شاعری کو وہ ایک ہیئت سمجھتے تھے یا صفت، جانکاہی، ہنریہ الفاظ
 (اور ایسے بہت سے الفاظ ان کے شعروں میں بھی ملیں گے) اس حقیقت کا بین ثبوت ہیں۔ ان میں بھی
 J. H. Prynne کی طرح ایک قسم کا *apocryphal* *discontent* تھا وہ ہیکل کے خواہاں
 تھے۔ خوب کو خوب تر بنانا چاہتے تھے۔ یہ درست ہے کہ کبھی ان کی کاوش کامیاب ہوتی تھی تو کبھی نہ۔ تاہم
 ان کی اہمیت یہ ہے کہ وہ ہیکل کے متلاشی تھے اور یہ صفت و جانکاہی کا خیر مقدم کرتے تھے۔

کیا شاد کی حیثیت سنگ میل کی ہے۔ اس میں میں براس وسیع پیمانے پر اختلاف فہم
 نہیں بلکہ شاعر کی اپنے شعروں پر اصلاحوں کو اس کی اپنے شعروں کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوششوں
 کو پیش کیا گیا ہے۔ دوسری اہمیت اس کی یہ ہے کہ اس حقیقت کو پایہ ثبوت تک پہنچا دیا گیا ہے کہ

goodly states and kingdoms کا خاصہ علامہ گنیش نہیں یہ حقیقت
 شل روز روشن ہے لیکن :

گزیند مرد و شیر و چشم چشم آفتاب را چہ سناہ

نقد کا ذریعہ ہے کردہ آفتاب سے آنکھیں ملائے، سیارہ کو سیارہ سمجھے اور چنگاریوں کو
 چنگاریاں سمجھے، شعلہ نہیں کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ تو زمین دلوں و درخ سے
 میری باتوں کو مان لیتے ہیں لیکن زبان سے نہیں کہتے نہیں کہنا اپنی ادا سمجھتے ہیں ۔

۱۰. نوشتن : در پیش از صدور نامه به کار وادار

تذکروان ترتیب : در بیان نامه های زیر

دو تذکره : تذکره نوشتن و تذکره نوشتن

تذکره نوشتن : تذکره نوشتن و تذکره نوشتن

۱۱. مین کی ترتیب : قیاس ترتیب

دیوان خوشش عظیم آبادی ۱۹۴۴

قسمت شریف : قسمت شریف

یک در ترتیب : در ترتیب

نویسندگان : نویسندگان

قلم : قلم

نویسندگان : نویسندگان

Library of Library term

English Literature

جلد زیر ترتیب -

فیروز آباد کے ارسالہ

ادیب

زیرِ دشمن خیسر ! میں بائیس سال قبل کی بات ہے اپنے عزیز دوست ڈاکٹر اعلیٰ زاہر (جو ہریانہ یونیورسٹی) کے ساتھ لوک دھرم پر درجہ اولیٰ و ہندسہ لوگوں سے بھلی صاحب رفیع مدین احمد مصنف کھوکھڑے شہر کے ملاقات کر لی اس میں ادیب حسین انصاری صاحب فیروز آباد کے معروف سوسل ورکر اور رقیان منسل صاحب ہندی کے مشہور ادیب) بھی تھے انصاری صاحب کو متعارف کرتے ہوئے ان کے ساتھ بہت سی بات چیت ہوئی گی کہ وہ اردو کے ایک اہم رسالہ ادیب فیروز آباد کے ایک نمبر کے ساتھ ملے ہیں۔ بعد میں رشتہ کی تفصیل اس حوالہ سے آئی کہ : یہ صاحب کے سرِ علماء ادیب صاحب تھے۔ غلام مایہ صاحب کے ایک بھائی غلام حیدر صاحب تھے غلام حیدر صاحب کو تھے صفدر حسین صاحب کے فرزند آخر جس صاحب میں حویہ نام کے ساتھ انصاری بھی لکھتے ہیں۔ انصاری صاحب کی پیدائش ۱۹۰۱ء میں ہوئی، گویا یہ صاحب کی دوت کے وقت ان کی عمر اس سال کی تھی۔ ذیل میں یہ اہم علی کے حواشات درج ہیں وہ انصاری صاحب ہی کے ہمیشہ کے ہوئے اس کواد پر مبنی ہیں حویہ کی گزشتہ یہ رقیان منسل صاحب نے قلمبر کے مجاہد اور جس کے لئے انصاری صاحب نے منسل صاحب کا شریہ ادا کیا تھا تاثر :]

(بیدار)

عظیم آباد کے محلہ سیدان کے سید علی نقی جو کسی عہد میں مدرسہ میں معلم تھے ان کے تین بیٹے تھے۔ سید تقی حسنی، سید غلام مصطفیٰ اور سید اصغر علی۔ یہ تینوں بھائی تماش معاش میں عظیم آباد کی سونت ترک کر کے آباد چلے آئے، جہاں سید تقی علی نے دیوانی کیمپی میں ذکاوت شروع کر دی، غلام مصطفیٰ ان کے مشی کے طور سے کام کرنے لگے اور اصغر علی عدالت میں اہل کار ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد یہ پورا خاندان

عہدے پر پہنچ گئے۔

اس کے بعد زمانہ قید حیدرآباد کی بقیہ کہانی قریب قریب وہی ہے جو متعدد دوسرے
’فریکوں کے ساتھ پیش آتی رہی ہے :

”اسی زمانے میں میر اکبر علی کے مکرہی پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں اثر و رسوخ کو استعمال کر کے
نواب سرور جنگ نے منسٹر ہوجانے میں کامیابی حاصل کر لی۔ سرور جنگ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ منسٹر
ہو گئے تو میر اکبر علی کو بھی منسٹر بنانے میں پوری مدد کریں گے۔ مگر اتفاق سے یہ صاحب اور نواب سرور جنگ
میں ناچاقی ہو گئی اور دونوں حضرات کا جھگڑا مکرہی حکومت تک پہنچ گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نواب
سرور جنگ اور اکبر علی کو حیدرآباد بدر ہونا پڑا۔ نواب سرور جنگ کو ان کے اثر کے تحت پٹن
میں کئی مکرہی البتہ علی خاں ہاتھ حیدرآباد چھوڑ کر چلے آئے۔“

”حیدرآباد سے آنے کے بعد وہ کچھ عرصے راجہ صاحب نایارہ کے سیکریٹری رہے۔ مگر بعد صاحب
کے انتقال ہو جانے پر میر صاحب دیروز آباد چلے آئے۔“

”فیروز آباد آنے کے بعد دو موضعے جہیون پور اور گڑھی کوپا خریدے۔ ساتھ ہی شہر کے اندر بھی
ہائی جائیداد خرید لی۔ وہ فیروز آباد میں نوپس بورڈ کے سیکریٹری بھی رہے اور بعد میں نیو نیس کمپنی بھی۔“
اختر حسین انصاری صاحب کے بیان کے مطابق میر صاحب مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنف تھے :

(۱) تذکرہ دلچسپ : راجستھان اور مدھیہ پردیش کے علاقوں کی پہچان اور قیام توام کے

رہن سہن، معتقدات اور حالات کے بارے میں۔

(۲) تذکرہ شاہ ابوالعلا اکبر آبادی۔

(۳) تذکرہ شاہ صوفی فیروز آبادی۔

مرزا ادیب جنوری ۱۸۹۸ء سے دسمبر ۱۸۹۸ء تک جانی رہا۔ ایک سال چار سو دو

سے بند ہو گیا کہ اس سال ان کے نو سالہ بیٹا ’فرزند امجد علی‘ کا انتقال ہو گیا۔

میر صاحب کا انتقال ۳ جون ۱۹۳۲ء کو ہوا۔ ان کی قبر اختر حسین صاحب نے نماز میں

ٹھیک مسجد کے سامنے تھی۔ قبر کا کوئی نشان نوباتی نہیں۔ اگر وہ جدِ اختر حسین انصاری صاحب کو یاد ہے۔

پہلے شہر میں ادیب کی خاص پالیسی یا مقصد کو اس طرح واضح کیا ہے :

”ماشا اللہ لوں تو ہندوستان کا کون سا شہر اور قصبہ ایسا باقی رہے جس کوئی کوئی

اخبار یا کسی نہ کسی علم و فن کا رس نہ کسی سوسائٹی یا انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے کوئی میگزین یا جرنل شائع نہ ہوتا ہو۔ یہاں تک کہ اگر ہم اس عام شغف کے لحاظ سے ہندوستان کے قدیم حدود اور بعد کے بعد اب یہ حدود

قائم کر دیں کہ اتر میں پنجابی اور پیرہ اخبار، دکن میں مہاراشٹر وراثت اخبار، پورب میں بنکالی اور

اودھ اخبار، پنجاب میں گجراتی اور راجست گجراتی تو شاید ہر شخص کو اس بات کی تصدیق کرنی آسان

ہوگی کہ ہندوستان کے چاروں کھونٹ میں ہر مختلف مذہب و ملت کے ہندوستانی سیکڑوں نہیں ہزاروں صرف

اسی پریس کے کام میں مصروف ہیں ... لیکن ... جہاں تک ہمارا علم ہے ان اخباروں اور رسالوں میں کوئی پرچہ ایسا

(نہیں) ہے جس کی وجہ اب تک اس امر کی طرف رجوع ہوئی ہو کہ موجودہ تعلیم سے جس قدر صدمہ مذہب کو پہنچ رہا ہے

اس کے مضافہ و راسخہ کی کیا تدبیر کی جائے۔ ہمارے مجاہد ملک اور اہل اہل کے خوشی اور افسوس کے ساتھ

دیکھ رہے ہیں کہ انگریزی تعلیم کا کیزا ہمارے ہر بڑے مذہبی درخت کو اندھا ہی اندر کھوکھلا کر رہا ہے اور اس وقت

مسلمان اور ہندو دونوں فرقوں کے انگریزی خوانوں میں یہ تمام خیال بڑے شد و مد سے پھیلا ہوا ہے کہ یہ بڑے

بڑے فلاسفہ اور علماء نہ خلاق عالم کے قریب ہیں اور نہ کسی مذہب کے پابند۔ اس کا (نتیجہ) یہ ہے کہ ملک

میں عام طور سے بے دینی و زبردستی چھیتی جاتی ہے اور احمی و ارتداد مسلط ہوتا جاتا ہے۔ عام تعلیم یافتہ نوجوان

جن کو شروع ہی سے مذہبی تعلیم کا کوئی حصہ نہیں ملتا ہے سمجھ کر کہ یورپین بڑے دانشمند اور محقق ہیں ہم کو بھی ان کی تعلیم

کونا چاہیے، مذہب کو خیر باد کہتے اور سون روزہ (دنہ ز) اور ہندو پوجا پاٹ ترک کرتے چلے جاتے ہیں ...

ادیب کے جاری کرنے کے دیگر غرائز و مقاصد کے علاوہ سب سے بڑی غرض یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں یہ ثابت کیا

جائے کہ سائنس اور مذہب میں فی الاصل کوئی (تصادف) نہیں ہے ...

یہ تو ادیب کی خاص پالیسی ہوگی۔ اس کے علاوہ دیگر مقاصد یہ ہیں :

۱۔ اردو زبان کے اعلیٰ درجہ کے لکچر کا مذاق پیدا کرنا اور اس وقت ہمارے ملکی تعلیم یافتہوں کو

نوجوانوں کے خیالات پر جو خراب اثر گندے نادلوں اور قصبہ کہانوں کی اشاعت سے پڑ رہا ہے اس کے مضافہ کی

امید نیز اس امر کی کوشش کرنا کہ ادیب اردو زبان میں وہی رتبہ حاصل کرے جو ولایت کے میگزین اور رسائل

نائن سینتھ سپیری : ریویو آف ریلوے، جیمز برنل، اینجینئر وغیرہ کو حاصل ہے۔ انہیں رسائل سے چیدہ آرٹیکل بھی نہایت سبس اور مفہم عبارت میں وقت فوقت ترجمہ ہو کر آئیں گے۔

(۲) فلسفہ، تاریخ، اخلاق، طبیعیات، تجارت، صنعت و حرفت کے متعلق علمی مضامین لکھنا۔

(۳) وقت فوقتہ قوم در ملک کے متاثرہ کی زندگی کے حالات شائع کرنا جس سے ہمارے پڑھنے والے کو

معلوم ہو کہ ہمارے اسلاف کیا تھے اور ہم کیا ہوئے جا رہے ہیں۔

(۴) مختلف ملکوں کے باشندوں کے خلاق، عادات، عرذ معاشرت وغیرہ کے درمیان چلت چلے کر۔

(۵) نامور ستیا جوں کے کارناموں کو شائستگی سے دینا اور اس کے ذریعہ انگریزوں کو کبھی عیب کی مقدس سرزمین

کبھی وسط ایشیاء کے سب سے بڑا کوہستان کبھی افریقہ کے رنگین درجی وادیوں کے مشہور مقامات کا تذکرہ کرنا۔

اس کے ایک حصہ میں (غلادہ) ولایت کے مسکین و رسائل کے ترجموں کے

چیدہ چیدہ مضامین اردو کے خاص اخباروں اور رسائل سے مثل اودھ اخبار، روزانہ پیر اخبار، اخبار عالم

چودھویں صدی، جبل المیتین، نصیر، نیر اعظم، مفید عام، راجپوتانہ گزٹ، وکٹوریہ پیر، ہندوستان

رفیق، نسیم، مخبر دکن، معارف، مرقع عام، الزمہام، تحفہ حنفیہ، اصلاح وغیرہ کے

منقول ہو کر آئیں گے۔۔۔ (ادیب کے مقاصد: بطور ادارہ) ۱/۱

مندرجہ بالا باتوں میں بعض کو غلامتہ اور بعض کو مجملہ کہنے کے ساتھ ساتھ بعض

اور کا اضافہ اس شمارہ میں شامل ایک اشتہار میں پایا گیا جو اس طرح ہے :

”مقاصد۔ ادیب جو ہندوستان بھر میں اپنی خاص طرز کا ایک بالکل جدید علمی نیگزین ہے، بطور

کاغذ کے پچیس صفحے ہر مہینے میں ایک بار شائع ہوا کرے گا۔ ہر ایک مکالمات سے مطبق بحث کی جائے گی کہ

یہ اخبارات کے لئے موزوں ہیں نہ کہ علمی رسائل کے لئے، اس کی بڑی غرض یہ ہے کہ ملک میں علمی لڑائی کا مذاق

پیدا کیا جائے اور مغربی فلسفہ و انجیل سائنس کے جو جسے آج کل مذہب پر ہر بہت ہیں وقت فوقتہ اس کی زد میں

خود یورپ کے مستند ماہرین اور مشہور قدسوں کی تصانیف و اقوال سے کی حد سے دور انگریزوں کے لئے علوم و فنون

تاریخی واقعات اور کارآمد معلومات کا ایک مفید اور دلچسپ ذخیرہ فراہم ہو۔ اس کی ترتیب میں ہمارے مددگار

کالیڈائے کاہلوگ یہ فرود نہیں ہے کہ ایک ہی پرچے میں سب مضمون آجائیں۔

(۱) ولایت کے روزنامے میگزین اور رسالوں کے آرٹیکلوں کے ترجمے؛ (۲) فلسفہ، اخلاق، تاریخ، طبیعت

طبیعیات، تمدن، معاشرت، صنعت و حرفت، تجارت کے متعلق مضامین؛ (۳) ویران ملک اور ہر قوم کے

متر ہر کے تذکرے؛ ۱۴) دین کے بڑے بڑے شہروں کی عمارتوں کا ذکر؛ ۱۵) یورپیہ جوں کی سربحت اور مختلف ملکوں کے باشندوں کے رسم و رواج کے متعلق دلچسپ حواص؛ ۱۶) یہیں بھر کے اندر ہی یادگاری واقعات؛ ۱۷) غیر لائق ۱۸) کسی شخص پر مبنی لڑائی کا نمونہ؛ ۱۹) نئی گروہ خاندانوں و درباروں کے اعلیٰ مفہوم کا اقتباس ۱۹۱۰ء کتب مفرد اور کتب مختلف مدبر بہ۔ جولو

اس رسالہ میں حدود اور امور کے بعض بائیں بڑی مفید و کارآمد ہوں گی۔ مثلاً ایک ایک رس میں ہر مہینے کے اہم و دیگر واقعات درج ہو کر ہوں گے جو سال تمام کے بارہ پرچوں میں یہی کتاب کی صورت میں فرم ہو کر اس سال کے واقعات کی ایک مکمل تاریخ ہو جائے گی جس کے نشان و صورت دیت کی صورت ہو۔ میں ہو کر ہوں گے۔ دوسرے ایک ایک رس میں حدود و ریت کے متعلق درباروں کے نزحوں کے حیدرہ حیدرہ مفہوم اور دے گی۔ خیانت و رساں سے منقول ہو کر ہوں گے۔ اس طریق سے بہت بہتوں کے وہ منتخب مضامین جوں کی غلی درجے کی علمی قابلیت، محققانہ رائے، اور پاکیزہ خیالات کا نتیجہ ہوتے ہیں مسکین پڑھنے کے بعد انہوں کے ساتھ بیدردی سے ردی کے حوالے کر دیے جاتے ہیں موصوفیہ ان سے کل کر ادیب کے صفوں میں سر کی سادہ جہ بندی یا سنی ہوئے گی ہمیشہ کے لئے محفوظ رہیں گے۔ (استدما)

”ادیب کے مضامین میں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ عبارت ایسی صاف سلیس

معتد درمحل الفاظ سے پاک اور مفہم ہو کہ معمولی قاریات تمکک آدمی حور دین کچھ بھی شدد

نکھتے ہیں، مضمون کو سانی سے سمجھ سکیں۔ (استدما)

نکھنے والوں کو دعوت دی گئی کہ:

”ملک کے مشہور مضامین نگار، جو مضامین ادیب کے لئے عبارت فرمیں گے وہ شریہ

کے ساتھ طبع کئے جاویں گے۔ اگر کوئی صاحب کسی خاص مضمون کے لئے نقد و ملاحظہ فرمائیے تو وہ بھی مضمون

کی حیثیت اور عمدگی کے لحاظ سے ادیب کی طرف سے پیش کیا جائے گا، اگر شرط یہ ہے کہ وہ مضمون کسی دوسرے

اخبار یا رسالہ میں اس کی طرف سے شائع نہ ہوا ہو۔ معاوضہ یا تحفہ پر یوں خط و کتابت سے جو سنت ہے، منتہی

مستغلوں اور مطبع والوں کو مرشدہ دیا گیا کہ:

”ادیب کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ ملک میں قابل قدر کتابوں کی شاعت میں کامل مدد دی

جائے تاکہ جسے سزنا ہوں اور مضمون قیے کہ، نوبت کے اردو خواں سبک میں علم، ادب، تاریخ، علوم

چرب و مفید کات (تحقیق بہ علم ہیئت علم ریاضی و طبابت) : ہر آمہ معلومات ، ایچ و آخر آج
صنعت و حرفت وغیرہ : متفرق مئی نوٹس وغیرہ ، فیمن بائیں : نصیحت کے حواس سے ایک نظم برآمد ہے :
یادگاری و اوقات : ریویو : ایک رسالہ بصائر : ایک کتاب بحر الحیات - غنیمت : ۱۶ ص ۶
اول و آخر کے چار صفحات ۔

اس رسالہ کا سرورق اس طور پر تھا :

ادیب

ایک بالکل نئی طرز کا ، ہوار علمی میگزین

نہر یڈی سید اکبر علی اکبر آبادی

شد یافتہ کلکتہ یونیورسٹی

مطبع مفید م آگرہ میں بہتہ دم محمد ق در علی خاں صوفی چھپ کر مقام فیروز آباد ضلع آگرہ سے تاریخ ۱۰
۱۰ قیمت مع محصول ڈب ۱۰ سالہ اششما ہی پٹار فی رچہ (بستر عید موجود) ۸۰

ادیب کا جو درجہ ہے معاہد ادب دوستوں اور محافیوں کے ذہن میں تھا اس کا کچھ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ
مخزن کے پر ۱۰۰ کے تارے میں بڑی شہابی تھرنے کے ساتھ جاری ہونے والے کی ، م کے رسالہ
ادیب پر جو تبصرہ کیا اس پر خود ادیب کے ڈیر نوٹ رائے نظر نے ادیب کے محض ۱۰۰ کے تارے میں تبصرہ کرتے
ہوئے لکھا تھا :

” ہمارے طباع دوست نے ادیب نام کی فرودگی پر بھی توجہ فرمائی ہے اور اسے حد درجہ توجہ کے
موجوم ادیب کا عمل تنازع قرار دیا ہے ۔ تعجب ہے کہ وہ ایک رائے و دشہو ادیب کو بھول گئے جو سدا کے علمی
کی جہتی میں غالباً ذور سے سائے بواکھا ۔ خوش قسمتی سے اس وقت خدمت نظر لکھ تھا اور سب صاحب
نے ہمیں بھی اس کے بناء میں یہی قہم تعریف پرچے سے سرفراز فرما دیا تھا ۔ اس کی زندگی بہت تھوڑی ہوئی
مگر بارہ نیرہ ساں کا عمر مفتخی ہونے پر بھی اہل نظر تک سے بھوئے نہیں ہیں ۔ سدا ہمارے ادیب
تنازع میں ہوا ۔ سدا ہمارے ادیب کے ہر اور ہر چیز میں موجود ہے ۔ مجھے اس کے قول کرنے

میں عذر نہیں کہ ادیب شجر محزون کا ایک خوش رنگ ٹرے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہوں گا کہ محزون قبل الذکر پرچوں کی ایک بار آور شاخ تھا۔ دنیا میں چرخ سے چراغ جلتا آیا ہے۔“

ادیب کی نسبت عام رائیں کے عنوان سے مندرجہ ذیل مشاہیر کی چند سطری رائیں دوسرے شمار میں درج کی گئی ہیں :

عس الملك ، نذیر احمد ، حالی ، شاہ محمد اکبر ابو العلاء ، عبدالرزاق صاحب البراءہ ، منشی محمد جان شوخ ظریف عظیم آبادی ، شبلی۔

(۴)

ادیب کے ۱۲ پرچوں میں بہت کم ایسی چیزیں ہیں جنہیں نظر انداز کیا جاسکے۔ ذیل میں ہم صنف واداس کے اہم مشتملات کا تجزیہ پیش کر رہے ہیں جو تحریریں زیادہ مفید اور کارآمد ہیں ان کے اقتباسات بھی دیے جا رہے ہیں۔ مفید اور کارآمد تحریروں کو تمام دکمال نقل کیا جا رہا ہے :

مذہبیات :

خدا کی نسبت حکماء قدیم کے خیالات (ماخوذ از کرن گزٹ) ۵/۱ ؛ تخیل انسان مطابق قرآن مجید (محمد اکبر ابو العلاء) ۱/۱ ؛ ذات باری تعالیٰ کے مطلق اقوام کے ضرب الامثال ۱/۱ (غرض از کتاب فلسفہ امثال ، مولانا موصی ذکا راشد دہوی) ، چینوں کے بعض مذہبی عقائد (ایڈیٹر) ۳/۱ “

فلسفہ مذہب : خدا ہے اور ایک ہر سید امجد علی شہری ۲/۱

ایرواح : (ایرواح : محمد اکبر ابو العلاء) ۲/۱

— آخر میں لا کبر الحجب کے عنوان سے اپنی ایک مسلسل غزل بھی دی ہے

قادیانی : مشیل مسیح (محمد مظہر الہادی سہیل) ۳/۱ ؛

— مخالفانہ مضمون ، مرزا صاحب کے نازہ دعویٰ مشیل مسیح جو نے پر

عورتوں کا پردہ : - پھر سائنس ، مذہب استرلاں : لا جواب ثبوت سید امجد علی شہری

بھیمون (ضلع امادہ) ۱۲/۱ : ذیلی عنوانات : پردہ کی تعریف ، فردت ، مختلف معنومات ، جمادات اور

جوانات میں پردہ : سائنس ، مذہب ، ظہار اور مجتہدین کی رائیں ، سوان جواب پردہ کی حیات میں مسود مضمون

علم ہیئت (رفیاء الدین احمد ایلمی - البشیر) ۱/۷۷ : مضمون نگار بعد میں علی گڑھ کے واسطے چانسٹر ہوئے، اور مضمون نگار بااثرانہ کے البشیر سے نقل ہوا۔

چشمہ تغید نکات : - معلق بہ علم ہیئت : کیا آفتاب فی الذرات سرور ہے، ایک نیا سیرہ۔
- متعلق بہ علم الارض : کوہ آتش فشاں، - متعلق بہ علم نباتات : سونے والے درخت
ترجمہ و مختصر (یڈیٹر) ۱/۱۱ : حیوانات باحی سے متاثر ہوتے ہیں ۱/۳۱ : ہوائے الکھڑکی (برقی قوت) اور سیم (بھاپ) کا کام لینے کی تیرت اگیز ایجاد ۱/۴۱

جدید قیمتی تحقیقاتیں (کذا) : بعض لمدح، امراض، علاج ۱/۷۷ : دق کا علاج، جدام کی دوا۔
تردید خوف ۱/۸۹۹ : دفع و ہم یا دوا (بقا حسین خاں فلکی منجم اعلیٰ کانیوہ) - اور دیکھو۔
کرک : زمین کی ہیئت مجموعی (مرزا مہدی خاں کوکب) ۱/۱۱ : سجایات آفرینش : کوہ آتش فشاں
(غالب خود ایڈیٹر کے قلم سے) ۱/۱۱ : جیو جی علم روض مرزا مہدی خاں کوکب حیدر آباد ۱/۹۱

عجائب عالم : - آسٹریا میں ایک علم دوست امبرکونٹ زمین نے ۳۰ ہزار پونڈ خرچ کر کے ایک ایس جہاز بنوایا ہے، جو ہوا میں مثل پرندوں کے اڑنے کا ... رفتار فی گھنٹہ ۲۵ میل ہوگی :
- جو بانوں نے لازوالہ سے محفوظ رہنے کے لئے ایک طریقہ اختیار کیا ہے جس سے ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ کب ریز آئے گا۔ ایک آہنی سیخ وہ دھت پر ٹکا دیتے ہیں مقام میں کی گئی اس کے ساتھ ہوتی ہے زمین پر تھن ہوتی ہے جب ریز آئی تو ہونے تو چند منٹ پیشتر گونی قتل میں گڑ پاتی ہے اور یہ لوگ فوراً پنے پے مکالموں سے اہر آ جاتے ہیں : - بردفیسر گیبسرا چند ناگٹ اگرہ کلچ میں بے تار کے جبررسی کی کوشش کی ۔ یہ کام اسی کام کے سلسلہ میں ہے جو وہ بسترکت مسٹر اور بی مقلد مکمل ڈیزائن کرتے ہیں
• دنیا کا سب سے بڑا نقشہ : • دنیا میں سب سے بڑا ٹیل : • دنیا میں سب سے بڑی نہر :
• دنیا میں ذیہ کے نش : • سب سے زیادہ فاصلہ : • دنیا میں سب سے بڑا کتب خانہ : ۱/۱۱
• زنی نال کے دائرہ دیکھ کا نقشہ : • اب نقشہ گورنر بہادر نے فرمایا ۱/۵-۶

ایجاد و اختراع صنعت و حرفت : ۱/۴۱

• بغیر تار کے پیام برقی بھیجنے کی جدید ایجاد کے تحت بے آکل انجینڈ میں بڑی کامیابی کے ساتھ ہو رہے ہیں۔ ایک موٹر پر بڑے بڑے معزز افسر ڈاکٹر تار گھر اور جہازوں کی کمپنیوں کے موجود تھے اور باوجود

خلاف ہونے موسم کے بغیر تار کے برقی پیام صحت و کامیابی کے ساتھ پہنچائے گئے۔

مفید و دلچسپ معلومات : ۸/۱ - مرض فوق کا عجیب و غریب علاج : " معزز
مفسر جبل امتین کا ایرانی نامہ لگا رکھتا ہے کہ ... " • چاند میں آبادی : • برمنی مصنوعی سونا تیار
ہونے لگا : • کوڑی سے شکر نکالنے کا تجربہ کیا جا رہا ہے : • آفتاب کی حرارت خاکی اور بخاراتی کام میں
کے نئے نینڈت تری سر کرشن ' بنگال نے ایک کل ایجاد کی ہے۔

سیاحت وغیرہ :

عجائبات عالم ، ۱/۱ : • برستان کے باشندے اور ان کی عادتیں (مترجمہ ایڈیٹر)
۱/۱ : • مسٹر سون ہیڈن کا سفر وسط ایشیا میں (محمد نفس الدین الطیب - ازبک (افغان) ہوشیار پور)
تعمیرات :

• فن عورت کے کمال و ذوال کا تذکرہ (منشی محمد الدین اکبر آبادی) ۸/۱۳
• مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک پر جو جواہرات لگے ہوئے ہیں۔ ان کی مالیت ۲۰ لاکھ روپے
یعنی قریب تین کروڑ روپے کے شمار کی جاتی ہے۔ ۱/۶ • ڈھاکہ کے مشہور رئیس نواب سراج الحسن اللہ
خان نے حبشی دالاں ازام مارہ ڈھاکہ کی مرمت کے لئے دو لاکھ روپے عنایت فرمائے۔ ۳/۱
وفیات :

• اس جہنم میں انتقال ۳/۱ مولوی عبدالحق خیر آبادی : مولوی عبدالرحمن صاحب
سیرت خلیفہ پوہیں اودے پور صاحب تصنیف و تالیف تھے : ڈاکٹر ٹائٹلر کالج لاہور اور
پنجاب یونیورسٹی کے بانی۔

اموات مشاہیر : ۵/۱-۶ : آرزوی نواب محمد علی خاں ریلکی خلیفہ اکبر نواب مصطفیٰ
شیفہ (م۔ ۲۰۰۰ء) : سید فضل ربیع علی قازی پوری رحلت : بقام حیدر آباد :
سوامی دیشو دھانڈ سرتی (۱۸۳۳-۱۸۹۹ء) ۱/۶ (م ۶ جولائی ۱۸۹۹ء در بنارس) - بنارس
کے مشہور و معروف نقیر : نواب سید ولایت علی خاں بہادر رئیس اعظم پٹنہ (پھر ۸۳ سال) ۳ جون :

اس مہینہ کی اموات : ۷/۱ - ولیدروس ؛ سابق چیف جسٹس کلکتہ سوامی بھاشکراند ؛ لکھنؤ کے وحید العمر عالم سید محمد مہدی ؛ آخری شاہ دہلی بہادر شاہ کی بیگم شاہ زلمی بیگم و فیات ماہ ستمبر بذیل یادگاری واقعات ' ۸/۱ : مذمت اوتار کرشن آغا ؛ ملک اخبار نجم الہند مراد آباد ؛ نواب یار جنگ محمد اکرام اللہ خاں رئیس کاکوری سابق صوبہ دار گلبرگہ ؛ حاجی ہارون جعفر یوسف سیٹھ رئیس پونا ؛ دیوان بوناسنگھ مالک اخبار آفتاب پنجاب لاہور ؛ -

مختصر حالات زندگی ، تھیوڈور بک مرحوم سابق پرنسپل محمدن اینگلو اوڈنٹل کالج علیگڑھ :

۲۲ ستمبر ۱۸۹۹ء (منقول از اودھ ریویو) ۱۰/۱

مسٹر گلڈاسٹون کی زندگی کے بعض دلچسپ حالات (ایڈیٹر) ۲/۱

سوانح حیات :

حضرت امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم (ابوالوید محمد مظہر البہادی سہیل امردہوی)

۵/۱ : علامہ ابن خلدون : ایک مشہور مسلمان مورخ کی دلچسپ سوانح عمری (ملخص) ۱/۱

شمر کی بیگم کے دلچسپ حالات زندگی ۱۲/۱ — چونکہ شمر کی بیگم کا ایک باغ اور مقبرہ وغیرہ چند عمارتیں ہمارے شہر آگرہ میں شاہ گنج کے متصل واقع ہے اور اس وجہ سے بیگم مذکور کے نام سے بچہ بچہ تک واقف ہے اور اس کی زندگی کے حالات نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز ہیں لہذا ہم ان کو ... حیدر آباد کے مشہور و ممتاز اخبار مشیر دکن سے اخذ کر کے ذیل میں درج کرتے ہیں تاکہ وہ اخباری کالموں کے موصوفات سے نکل کر ادیب کے صفوں میں مستقل طور پر محفوظ رہیں ۔

تعلیم و متعلقات تعلیم :

یونیورسٹی قاہرہ عرب الازھر (ایڈیٹر) ۵/۱ - ۶

لنٹ سنگھ کالج مظفر پور : سٹیفنک سوسائٹی مظفر پور بنگال کی طرف سے جو اسکول اب تک جاری تھا اس کو کالج بنانے کے لئے بابو لنٹ سنگھ زمیندار دھیمکہ دار ریوے نے ۵۰ ہزار روپیہ اور چودھری رگھوناتھ داس زمیندار جینت پور نے ۳۰ ہزار روپیہ کی دو بڑی رقیں چندہ میں دیں ' اولوالعمری اور قومی ہمدردی اس کو کہتے ہیں۔ اب اسکول مذکور ماہ جوی میں کالج کے مرتبہ کو پہنچ جائے گا۔' ۵/۱ - ۶

ہب میں سمنوں کے تعداد مرث ۲۶ ہے۔ ۶-۵/۱

”منیعت و تالیف : • ہمارے جگایکوارڈر اور دہانے ایک کتاب ”از قیدہ و سعادہ“
 دہانے کے مشہور شیعہ مسٹر فشر انوں کے یہ خانہ میں جمع کرانی ہے : • ہمارے جو بہت پورے ایک ہی ہست
 دہانے کتاب خانہ کی ہے۔ کتاب دربار میں مذکور کے سے جو بہت بہت پورے ہیں اور
 بن ۱۵۵۰ ہ۔ کتاب کی طرف سے بلدی بھی ہیں : • مسٹر جنس ایمر علی ہندوستان کے سمنوں
 سمنوں کے تارک نکو ہے۔ جس میں وہ سمن درج درج حکومت کی لکھ ہے۔ وہ اس کی رخصت ہے
 دہانے کے ہوتے ہیں اور وہیں اس کتاب کو ختم کریں گے : • رہنمائی کے ذریعہ ایک کتب خانہ
 جی نے ایک مذہبی کتاب منیعت کے سمنوں میں فرما کر اسے جو دہانے میں دیکھ کر اس کی طرف سے
 دہانے کے سمنوں کو جس کی ہر ویل ہر صبح سے موقوف تھیں پھر پوری ہوئی تھیں۔ پھر پھر سفر
 معذرت یہ پوری رٹ صاحب ایم ٹی نے دی تھی : • اور جنس کا سفر جس جو اس میں ہوگی اس
 میں شریک ہونے کے لئے ہمارے گورنمنٹ کی طرف سے جنس کے سمنوں کی سیدھی بگڑی ڈیپلیٹ ہمارے
 ہو کر روانہ ہوئے (علی نوٹس) ۶-۵/۱

یادگاری واقعات : • جس ایما مووی سید علی بگڑی کو حضور نظام نے ۲۵ شریف
 اور دو معروضات مزیت فرما کر اس کی قیمت دو ہزار روپے ہے : • نہ وہ ۵ سالہ حیرت انگیز
 دھم سے ہمارے نو میں منعقد ہوا۔ ۴ ہزار کے قریب چندہ جمع ہوا : • دہی میں ہمارے ۵ سالہ
 جسے وہ ۵ سالہ ہندوستان کے مشہور حبیب حاذق اس کے جناب حکیم عبد المجید خان صاحب کی ذاتی
 کو کتنی درہمت سے مل رہا ہے۔ اس وقت ۵۰ طلباء زیر تعلیم ہیں۔ (یادگاری واقعات ۳۱)
 • دہی کے جان ہمارے سید محمد علیا لدین خان کو ڈیپٹی بگڑی نے اس میں ڈیپٹی بگڑی دی :
 • ہمارے جناب کو حج جہان آباد کو مار سبن کلمہ کے مشہور عام آٹھ سالہ دیئے اس طرح سے عدت
 زمانے ہیں اور جنس کا سفر جس میں شریک ہیں اور جنس کے سمنوں کو ہندوستان کے سمنوں کو
 • ٹوکیو کی میری بونورسٹی میں بھی سے کرشنا جی وابت علی پوری نامی صاحب غلامیہ کرد خلیفہ میں
 • ۱۹۹۹ء آڈیو ہیسٹو بخیر و خوبی ختم ہوا۔ قوی جسوں کی بڑی۔ ہم دھم دھم ہوتے تھے جس میں
 • ٹوکیو میں کاسٹم کا سفر جس میں ویشو کا سفر جس میں ٹوکیو میں بگڑی بگڑی اور ٹوکیو میں بگڑی بگڑی

- نواب مراد حسن اللہ خان بہادر رئیس ڈھاکہ بابو جی گوبندل کی مبعاد ختم ہونے پر سپریم لجسلیٹیو کونسل ہند کے ممبر مقرر ہوئے • جدید بہادر صاحب درجنڈے ایچی ہر دلعزیز برادر مرحوم کی یادگار میں ۵۶ ہزار روپیہ کا چندہ خیراتی کاموں کے لئے عطا فرمایا • بہادر اجونی سم بازار نے مسلم زناہ اسکول کے لئے ۱۰ ہزار روپیہ کا چندہ عطا کیا • کلکتہ کے ایک مایہ ناز لاد پورن مل نے چار لاکھ روپیہ کی وصیت مرنے کے قس کر دی تھی یہ روپیہ ایک میں کالج قائم کرنے میں صرف ہوگا • خارس ہندوستان کے لئے چھ لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے • اس ہینہ ہنزہ ٹینس نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ والیہ رباست بھوپال فرماؤں عار الہام حاجی عبدالجبار خان بہادر کو صلہ حسن خدمات بجالانے پر ۲۰ ہزار روپیہ ماہوار کے ڈھائی ہزار روپیہ مشاہرہ مقرر فرمایا • اس ہینہ نواب صاحب جادپور نے جس علم شہب میں انتقال فرمایا • اس ہینہ میں سلطان موسیٰ علی راجہ لکادیپ کا انتقال ہوا - (دہریہ واقعات ۲/۱۱)

ندوة العلماء لکھنؤ اور یونیورسٹی علیگرہ (امجد علی شہری) ۳۱

— ہمارے اتفاق نے جو کام کے وہ کبھی تاثر سے خالی نہیں رہے... لیکن بعض اختلافات، اتفاق قبول کے ہاتھوں (مستند العلوم علیگرہ کی) اس محمود عمارت کو جس نقصان کا اندیشہ ہر وہ معمولی ہچکولوں میں بھی سال گزشتہ کے زلزلہ سبٹ و آسام سے کم نہیں بابا جاتا۔ اسی طرح ہماری دوسری مقدس اور متبرک مجلس ندوۃ العلماء بعض اختلافوں سے جو مخالفت کے درجہ میں پہنچے ہیں اپنے اغراض و مقاصد کو پورا نہیں کر سکتی۔

- جو بھگتوں و اس ایم۔ نے ڈپٹی کلرک نے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے کر ہندوستان بنارس کا عہدہ آئری سرکاری قبول کر لیا ہے۔ ۱-۵-۶ • ہندو کالج بنارس ۱۵ مئی کو کھولا گیا۔ ۶-۵/۱ • سنسکرت کالج دہلی میں ۱۵ مئی سے جاری ہو گیا۔ (بادگاری واقعات) ۲-۵-۱

علی گڑھ : — ملک دتھم کے لئے سب سے بڑا یادگار واقعہ تعینہ شدہ تقرر سکریٹری شپ محکمہ کالج علی گڑھ ہے جو کالج حوصوف کے ڈسٹریکٹ کے سالانہ جلسہ میں تاریخ ۳۱ جنوری ۱۸۹۹ کو ہوا۔ اطمینان بخش طریقہ سے طے ہو گیا۔ اس جلسہ میں کثرت آراء سے مشرب محمود کو لائف پریسڈنٹ اور نواب محسن الملک بہادر کو سکریٹری مقرر کیا گیا ہے۔ اختتام جلسہ پریسڈنٹ محمود صاحب نے اپنی تقریر میں صدارت کو خوشی منظور اور نواب محسن الملک کی دوامی رزقت کا وعدہ کیا۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آنر بیل

جسٹس امیر علی اس کالج کے ٹرسٹی مقرر ہوئے اور آئریبل جسٹس بدرالدین طیب جی نے ۲ ہزار روپے سرسید میموریل فنڈ کو عطا فرمائے (یادگاری واقعات) ۲/۱ ؛ — شیخ اصغر علی شہور سولین پنجاب نے اپنی پوری تنخواہ ایک مہینہ کی سرسید میموریل فنڈ میں بطور چندہ کے دیدی (یادگاری واقعات) ۵/۱

• ٹھاکر دہرہ پرشاد سنگھ، رئیس انجم تعلقہ دارنیل گاؤں ضلع سیت پور۔ یہ وہی اولوالعزم رئیس ہیں جنہوں نے نہایت سیرجشی سے سرسید میموریل فنڈ میں ڈیڑھ ہزار روپے کا چندہ عنایت فرما کر ملک کو اس بات کا ثبوت دیدیا کہ کچی فیاضی کے لئے مذہبی یا قومی امتیاز کی ضرورت نہیں ہے۔ ۱/۱

• علی گڑھ کالج میں ۲۵ تاریخ کو چیف جسٹس سوارتھ اسٹریچی کی صدارت میں مشربیک کی یادگار کے قیام کے لئے جلسہ ہوا جس میں ۲۵ ہزار چندہ سے جمع کردہ تجویز ہوا جس کے غلٹے سے کالج کا ایک طالب علم اس شرط پر تکمیل عمل کے لئے انگلینڈ بھی جاکر وہاں سے آکر علی گڑھ کی پروفیسری قبول کرے۔ اب تک ۸ ہزار روپیہ جمع ہوا ہے۔ یادگاری واقعات ۱۱/۱

آر۔ آ۔ دیوی پورک میں امتحانات ڈگری ۱۸۸۹ء سے شروع ہوئے۔ گزشتہ سال کی کز خدمت میں ۱۹۰۱ء امتحان ایم اے پاس کیا۔ ۱۳۹۸

طلبہ نے امتحان بی۔ اے پاس کیا در ۳۳۶ نے امتحان میں بی۔ اے۔ بی۔ اے۔ مجتہد میں تعداد کے ۸ ایم اے ۲۰۲ بی اے اور ۴۱ بی اے بی اے بی اے مسلمان ہیں؛ — جماعت نے گورنر جنرل نے مشہور پنڈت کیسری موہن ٹھوٹی کو جو مہاراجات کے مترجم ہیں ۵۰ روپے مہینہ کی منشن عنایت فرمائی؛ — مدراس بورڈ ٹرسٹی نے جہاں ہی چار عورتوں کو ایم اے کی ڈگری دی ہے؛ — مدراس پریزیڈنسی کالج کی موہنہ رطلاب علم مسٹر۔ امینی مین کو انگلستان جانے کے تصور میں برادری سے خارج کر دیا گیا۔ راجہ صاحب کو مہینے میں سے ہر مہینہ کو دیا کہ مسٹر۔ رامن مین اور اس کی زوجہ کسی مندر میں نہ جائیں اور نہ کسی کنوئیں یا تالاب کو چھوئیں۔ نیز اس کے در اس کی بیوی کے رشتہ دار کسی مندر میں نہ جائیں جب تک برہمن لوگ اس معاملہ میں آخری فتویٰ نہ دیں ۸/۱

مشہور شاعر ڈی۔ ڈی۔ کپنگ کو ۱۵ ہزار پونڈ ملے تھے کہ آٹھ سطروں کی عبارت دستخطی خود ایک دو ا کی تعریف میں لکھ دے مگر شاعر نے انکار کر دیا۔ اسی شاعر کو لارڈ کا خطاب ملنے والا ہے (علمی نوٹس)

علمی نوٹس ۱۰/۱ :- — کپنگ مشہور شاعر و ناولسٹ جس کو لارڈ کا خطاب ملنے والا ہے پہلے ہندوستان میں اخبار پالیو نیبر الہ آباد کا سب اڈیٹر تھا؛ — ہندو کالج بنارس میں ولایت سے ایک اور پروفیسر طاخوہ کام کرنے آئے؛ — نواب یگانہ صاحبہ مرشد آباد نے تقسیم نسواں کے مفد میں

پردہ انعام آٹھ اور چار اشرافیوں کے مشتبہ فرمائے ہیں۔ مفاہین اجلاس ایجوکیشنل کانفرنس کلکتہ میں
 پیش ہو کر ان کی نسبت فیصلہ ہو گا؛ — خواجہ حافظ کی تقریر کوئی قبہ نہ تھا۔ کچھ غصہ ہوا ایک دولتمند
 گجر نے منت مانی کہ اگر اس کی مراد پوری ہو جاوے گی، تو وہ ایک عالی شان قبہ حافظ کی تقریر پر تیار کرے گا جو
 ایک کھٹے میدان میں ایک آہنی کٹھن سے بھری ہوئی بالکل زمین کے ہموار ہے۔ اب اس کی آرزو پوری ہو گئی
 اور اس نے اپنے وعدہ کے موافق عاملوں سے قبہ بنانے کی اجازت طلب کی۔ دو تین ہفتہوں نے فتویٰ دے دیا۔
 اور اس نے کئی ہزار توماں کا مصائد وغیرہ جمع کر کے کام شروع کر دیا۔ لیکن سید علی اکبر مجتہد نے لوگوں کو بھیڑ
 عمارت کو خراب کر دیا۔ مگر اخبار جامع العلوم میں سید رضی حسن صاحب سیتا پوری نے اس خبر کی تردید میں
 ایک مضمون چھپوا دیا ہے، خدا کرے وہ صحیح ہو۔

علمی نوٹس وغیرہ ۱۱۔ مشہور لکھنؤ اخبار "الکون" میں ۲۵ نومبر ۱۹۱۱ء کی تاریخ پر ۱۱۔ مذکور
 میں کوئی غلطی ایسا نہیں جس کے تمام آدمی لکھا پڑھنا نہ جانتے ہوں؛ • سیام کا ایک شہزادہ تحصیل
 کی غرض سے لندن میں داخل ہوا؛ • سول سروس کے گزشتہ امتحان میں پاس شدگان کی تعداد ۶۳ ہے
 بھونان کے، • ہندوستان میں۔ اس وقت ۲۷ دہائی سول سروس میں ہیں۔ اب اس کی تعداد ۳۴ ہو جائے گی؛
 • گورنمنٹ ہند نے مسٹرنٹ کی مجوزہ یونیورسٹی کی سکیم منظور کر لی ہے۔ مغربی کونسل میں پیش ہو کر
 تینوں بن جائے گا؛ • چین میں اخباروں کی قیمت ٹونا ایک پائی کے قریب ہوتی ہے۔

اخبارات و رسائل : (چند مہینہ اور نامی اخباروں کی رائیں)

ادیب کی تعریف میں منقولہ ذیل یقینی برہنہ، معین الہند، امیر، رہبر، مرد ہند
 فن اخبار نویسی (ایڈیٹر) ۱۱/۱ - اخبار ہندی کے فوائد (مترجم) ۲/۱

بصائر مہوار اسلامی رسالہ باہتمام مولوی بقا حسین خاں فکلی منجم علیا کالج (ریویو) ۱۱/۱
 الاسلام، آباد : یہ اسلامی رسالہ آباد سے ہر گز سبزی ہدیہ کی ۲۵ سالہ کوشاں ہو رہا ہے
 اس میں اسلامی خبروں کے علاوہ مشہور مورخ علامہ ابن خلدون کی مختصر تاریخ کا اردو ترجمہ اور مستہرمام کی
 سوانح بھی بصورت ہندی جدا جدا شائع ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی ترقی و تہذیب کے اسباب ظاہر کر کے قوم کو
 اسباب ترقی کی طرف متوجہ کرنا اور معنی نصیحت اسلام کے اعتراضات کا جواب دینا بھی اس کے مقاصد میں داخل ہے

قیمت میں معمول ڈاک مرنے پر سالانہ مقرر ہے۔ منشی حامد حسین صاحب مالک رسالہ سے درخواست کرنے پر
 خریداروں کے نام جاری ہو سکتا ہے۔ (اشتبہار) ۱/۱۱۔ ممالک شمال و مغرب میں ۱۱۸ اخبار
 درج رجسٹرڈ ہیں جن میں ۵۷ ہفتہ دار اور ۴۰ ماہوار اور صرف ۲ روزانہ ہیں؛ جلوسہ محبوب، حیدرآباد
 (ہو رگلی سٹنڈ)، ہتھم ڈائریٹر، غلام محمدانی خاں گوہر حیدر آبادی (ریویو) ۵/۱۱۔ اس کے دو نمبر
 موصول ہوئے ہیں۔ ایک حصہ میں دکنی اور ہندوستانی سازوں کی غزلیں، دوسرے حصے میں بطیم اور تیسرے
 حصہ میں ایک چھوڑ دو دو ناول ہیں۔ لیکن سب سے عمدہ حصہ اس رسالہ کا وہ ہے جس میں سربراہ آریان سلطنت
 آصفیہ کا تاریخی سلسلہ شروع کیا گیا ہے؛۔ المعلومات 'جے پور' ۵/۱۱۔ اس بے نظیر علمی رسالہ کے
 چار نمبر یعنی ۵۰ اپریل ۸۹۹ء بڑی آب و تاب سے اس وقت تک شائع ہو چکے ہیں۔ فی الحقیقت ان کو تاریخی
 معنویت کا ایک نایاب و بیش قیمت مخزن پایا۔ شعیب مغیرہ، آگرہ سے تحبیب کریم ست جے پور سے شائع ہوتا ہے۔
 آخر کے ۱۶ صفحوں میں ایک انگریزی ناول موسومہ عشوہ کا سبب و شستہ ترجمہ ہوتا ہے اور شروع کے ۱۶
 صفحوں میں انگلستان کے مشہور محدث گبن کی تاریخ نوال و انتراع سلطنت رومنہ الکبریٰ کا بے حد
 نہایت عمدہ ترجمہ طبع ہوتا ہے۔ اس ترجمہ میں سب سے عمدگی یہ ہے کہ مترجم نے متن تاریخ کو جابجا تحفقات فٹ نوٹ
 (توضیحات) سے مزین کر کے اس کتاب کو خوبصورتی کو دوبال کر دیا ہے؛۔ شرارہ ۵۔ مراد آباد،
 شمس مطابق، باہتمام ایم فٹس محمد ۵/۱۱،۔ بر علمی رسالہ ۲۴ صفحوں پر تحبیب کریم ست میں دوبار
 شائع ہوتا ہے۔ اس کے تین نمبر اس وقت دفتر ادیبین آچکے ہیں۔ اس رسالہ میں باستان پر لیکل
 مباحث کے معنویت عام کے متعلق تازہ تازہ خبریں علمی چون دچرا، پند و نصائح، لطائف تاریخی و
 جغرافیائی معنویت، سوانح عمریاں، عجائبات عالم، شعر و سخن، اسلامی معلومات، صنعت و حرفت، سیر دنیا
 اور غالب علوں کے طے مخصوص مضامین درج ہوتے ہیں؛۔ رفیق ہند کا دوا، ۵ اجراء، اکتوبر
 سے (ایڈیٹر محرم علی چشتی) ۸/۱۱؛۔ گلزار ہند (ہفتہ وار) ۵ ہور۔ باہتمام شیخ گلزار محمد
 ۸/۱۱؛۔ پیام محبوب (ماہنامہ گلزار ستہ) سرپرستی ذرا شمس اسک ظفر خٹک۔ باہتمام
 غلام حسین داد، ۱۱/۱۱؛۔ تفریح (ہفتہ وار) باہتمام منشی راجندر اس بھارگو، منجر اودھ ریویو ۹/۱۱۔
 پبلک گزٹ (ہفتہ وار) پبلک پریس، امرتسر۔ اس سال کے جدید اخباروں میں ۱۲ (ریویو)
 ۱۲/۱۱؛۔ اصلاح (المشہر: علی حیدر، مینڈ، محلہ گڑھی (اشتبہار) ۱۲/۱۱؛۔ اخبار

لسرل (اعظم گڑھ) - ہمیں میں چار بار (اشتہار) ۱۲/۱ -

ادیب کی نسبت چند معزز اور نامی اخباروں کی رائیں کے عنوان سے کچھ اخبارات و رسائل سے

رائیں دی ہیں۔ اس ذیل میں مندرجہ نام سے ہیں: دیوبند ۲/۱

۱۔ اودھ اخبار، چودھویں صدی، راجپوتانہ گزیٹ، روزانہ اخبار دہلی، مفید عام اگر

سول اینڈ مٹری نیوز دہلی، ریاض الاخبار، انیس ہند میرٹھ، جبل المتین، کلمۃ، نیر اعظم مراد آباد،
مجنر دکن برس، جنرل وگوہر صفی کلمۃ، شہرہ مراد آباد۔

المعلومات، بے پور، نیرنگ جہاں، بے پور

۲۔ دونوں سالے ۱۸۹۹ء سے بے پور سے شائع ہونا شروع ہوئے ہیں۔ شہرہ گوریں

دوسو سائیں ہیں جن میں سے ایک کانام انجمن تعلیمی اور دوسری کانام انجمن احباب ہے۔ دونوں
سالے ابھی دونوں سوسائٹیوں کی مساعی جمید کے نتیجے ہیں۔

• المعلومات ۳۲ صفحوں پر ماہوار شائع ہوتا ہے جس کے ۱۶ صفحوں اماں جان کا راز
نانی یک۔ دل جو گریزی نادل کا ترجمہ ہے جمع ہوتے ہیں در دوسرے سے لیکن صاحب کی مشہور تاریخ کا
اردو ترجمہ ۱۶ صفحوں میں شائع ہوتا ہے۔

• نیرنگ جہاں کے پچھلے سال کے انارک و ممد کے حدود دو صفحوں درج ہیں جن میں سے
ایک میں ذہن معاریہ کے و۔ نور بیرو یعقوب و غیر کی سوئے غمی شروع کی گئی ہے در دوسرا صفحوں
عقل و مذہب کے فنوں سے نمونہ صاحب کا کچھ ہوا ہے یہ صفحوں نہایت عجیب اور دل فدیہ ہے۔ دوسرے
حصہ میں اسٹاک لنڈ کے مشہور تارون ولسٹ کی لیڈی آف دی لیک کا ترجمہ ہے۔ اس رسالہ کی قیمت
۳۸ پیسے ہے۔ المعلومات کے مجرمتی ماس می صاحب اور نیرنگ جہاں کے مجر دلی محمد صاحب آنا ہیں

کتابیں:

کیا طٹی کتابیں داخل فحش ہیں؟

۱۔ ماہور کے بعض اخبارات سے معلوم ہوا کہ کشمیری بازار کے کتب فروشوں کی دکان سے

مغربات، بومی سینا وغیرہ کی کچھ جلدیں پولیس نے برآمد کر کے چالان عدالت کی ہیں۔ ساتھ ہی اس کے یہ خبر بھی دیکھنے میں آئی کہ ڈاکٹر گنگا دین کی ایک طبی کتاب "ینگ مینس کا سٹوہ کو کلکتہ ہائی کورٹ نے جائز قرار دیا اور عدالت ماتحت نے جو اس کو فحش قرار دیا تھا اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ کلکتہ ہائی کورٹ کا یہ فیصلہ نہایت اطمینان بخش ہے۔ کیونکہ طبی کتب خاص کر طبابت پیشہ لوگوں یا اس فن کے عام شائقین کے لئے مخصوص ہوتی ہیں جن کی تعداد انجلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ ان کے مافوقین کی تعداد نادل کے شائقین کی طرح محدود نہیں ہوتی اور اس لئے ان کا اتر فام نہیں ہوتا۔ اگر مغربات بومی سینا کو جوڈیشیل نظر سے فحش قرار دیا جائے، تو انگریزی کتب انٹمی (علم الابدان) کے ترجمے جن میں اعضا، انسانی کے ہر رگ و ریشہ کی تفصیل درج ہوتی ہیں اور جو طبی مدارس سرکاری میں پڑھائی جاتی ہیں بدرجہ اول فحش قرار دیئے جانے کی سختی ہوں گی۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ جس صورت میں ریٹائرڈ محکمہ فحش اور مخرب الاخلاق نادل اور ان کے زنجے کھسے خزانے تین تین درجہ آئے بازاروں اور اسٹیشنوں پر بکتے پھرتے ہیں اور سرکار سے کوئی مزاحمت ان کی فروخت میں نہیں ہوتی، تو مغربات بومی سینا جو ایک خاص فن کی کتاب ہے کس اصول پر قبیل اعتراض سمجھی جاتی ہے۔

طب یونانی اول تو ملک کی غفلت اور نادردی سے یوں ہی ہم جان ہے، اگر اس کی یہ خدشات میں بھی قذوئی شہنشاہ میں پھنس کر ناقابل التاعت قرار پا گئیں تو فن مذکورہ سہا باکل نیست و نابود ہو جائے گا۔ ایک بڑا اہم اور نازک مسئلہ ہے جس کو روز روشن میں لانا اور اس پر متانت اور سنجیدگی سے بحث کر کے گورنمنٹ کی توجہ معطوف کرنا اخباروں کا کام ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے عزیز، معاصر عبد اس کا نوشیس میں گئے۔ اگر اس بارہ میں ایک خاص کمیٹی سرکار سے مقرر ہو کر رائے طلب کی جاوے اور ملک کے مشہور اطباء و ادباء مثل حاذق الملک جناب حکیم عبدالغفور صاحب دہلوی، خان بہادر ڈاکٹر رحیم بخش بریلوی، ڈاکٹر بیگم دل صاحب سندھ، ڈاکٹر لندن، شمس العلماء، مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب خان، بہادر شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب وغیرہ اس کمیٹی کے ارکان مقرر کئے جاویں، تو یہ اہم مسئلہ نہایت عمدگی اور اطمینان کے ساتھ حل ہو سکتا ہے۔" (مشرق علمی نوشیس : از ایڈیٹر) ۳/۱

گلدستہ تمیز : مصنفہ، نواب میر صدیق حسین خان، رئیس بڑوہ : ۲۹ مضامین انتظام امور خانہ داری اور دیگر ضروریات زندگی کے متعلق۔ اس سے پہلے مصنفہ چھوٹی چھوٹی کتابیں مثل گلدستہ علوم و گلستانہ و حفظ تصنیف کر چکے ہیں۔ (دربار) ۳/۱

کتاب فلسفہ امثال و منتخب الامثال مولفہ خان بہادر ذکا، اللہ علیہ ۳۴۳ھ سن ۱۹۲۳ء
بحر الحیات : مصنف حکیم صغریٰ فیروز آبادی (ریویو) ۱/۱ — ازاد بیگم دہلوی پر
کتاب حقیقتہ روز و رات : بحوالہ رواج : مصنفہ و فطرتی اردو تصوف دار مولفہ زریں ۱۳۸۱ : ۱۳۸۱ء
مولوی سید تہ درویش قادری (ریویو) ۱/۵ — ملفوظات حضرت تہ عبد العزیز علی دہلوی
بہ تمام قاضی محمد بشیر الدین رئیس میرٹھ و حال مقام متھرا : — مولوی بس کی عیسوی و ہجری جہتری
مرتبہ قاضی محمد بشیر الدین ۱۸۵۱ء لغایت ۱۹۵۰ء یعنی ۱۲۶۶ھ لغایت ۱۳۶۸ھ : — رسالہ
معلومات السنین : عیسوی، ہجری، فارسی، فنی، ہنگہ وغیرہ کے تاریخی حالات، مصنفہ اسام الدین
محمد تہر، روی : — انشاء فیض منشاء، مصنفہ احمد حسین عاقل فرید آبادی (ریویو) ۱/۷
— تجلیات شوق یعنی دیدان اکبر مصنفہ شاہ محمد اکبر ابوالاعدی، افغانہ دانایور (ریویو) ۱/۶
— دہانہ معری، شہنشاہ ہند مصنفہ مہر جہ پریشان رگوبر جنگ بہادر، انشاء
بہادر (شاہ غفر) : — تاریخ دربار لاہور ۱۸۹۳ء : — گلشن سخن : — کلید دیوانگری
— اسبوع شریف حفت غوث غفر : — راق اسلام یار ازہند : — حرماں عیب :
— ناکام : — جنہین : — گردش ایام : — گلاب کور : — بڑھاپے کی ست دی :
— ہنسی کی یڑی : — دل بہدو و ستم : — اشتہار صدائے ہندیک (جسٹ لائبر) ۱/۸ :
— امر او جان اد : مصنفہ مرزا سوار (ریویو) ۱/۸ : — امیرانہ و غریبانہ زندگی مصنفہ
زلفیہ، مترجمہ نیڈت، ملک روڈ دھور، و حیدر آباد دی (ریویو) ۱/۸ : — برکات قیمری
مصنفہ مولوی بہار احمد مولوی قیمری رئیس کور : — البراکہ مصنفہ عبد الرزاق کانپوری
ریویو ۱/۹ : — شہزادہ حبیب مصنفہ عاقل، ملک حکیم ابوسعید محمد عبد المجید خاں دہلوی
فرمان خان دہلی : — سول صوت : مصنفہ ڈاکٹر کنگم لخصہ خواجہ غلام الثقلین : —
بھول بھلیاں : شکیپر کی کامیابی آف ایس کاترجمہ : از فیروز شاہ خاں راجپوری
بادانت بابو سیٹل پرشاد : پتھر اخبار نیر غلام مراد آباد (ریویو) ۱/۱۰ : — علی کی سنوار :
نشر غلام مراد آباد : عداوت دیو کی منصفی مراد آباد کے ایک فیصلے کی نقل جس میں یہ بحث
بڑی دلچسپی اور تحقیق کے ساتھ کی گئی ہے کہ ایک فیصلے میں غلام مراد آباد : داغ

نفس تھا یا نہیں، اور نفس کی تعریف کیا ہے۔ اکثر مستند اہل زبان کی شہادت بھی لی گئی ہے اور فیصلہ نہایت مدلل لکھا گیا ہے۔“ (ریویو) ۱۰/۱۔ رد ورائسٹر: یعنی نامہ ذکاوت مصنفہ راہبید اس بھارگو، ایڈیٹر دپردہ پرائمر اخبار تفریح لکھنؤ، — مطبع سفیر عام آگرہ: تعریف میں محسن الملک کے دو خطوط بھی دیے ہیں۔ (ریویو) ۱۰/۱؛ — ضیاء الدین: مصنفہ حکیم سید خورشید حسین لکھنوی، مطبع دبدبہ اسٹری لکھنؤ؛ — بڑی جستری ۱۹۰۰ء: ہمارے مخدوم منشی محمد رحمت اللہ علی کی اعلیٰ صنعت اور شاد ممت دربارت کا نمونہ (ریویو) ۱۱/۱۔

انگلینڈ اینڈ انڈیا: مصنفہ ایس۔ بہادر لار، جتنا تھ صاحب، طابع منشی کدب سنگھ، لکھنؤ؛ — سفرنامہ انگلستان: فرانس، سوئزرلینڈ و سبوت وغیرہ؛ — ذکر رحمانی: مصنفہ قادیانی محمد ابراہیم خان، ناشر: نیر غلام بک انجینیئر مراد آباد؛ — سوانح عمری حضرت گنج مراد آبادی؛ — شمس التواریخ: مصنفہ محمد امیر الدین واسطی علی، مطبع جامع، سنور، آگرہ؛ — اسلامی تاریخ (ریویو) ۱۲/۱۔ ترجمہ تاریخ ابن خلدون، المشتر، حیدر حسین۔ (مراد آباد) (اشتراک) ۱۲/۱؛

سفرنامہ برہما؛ سفرنامہ پہاڑا؛ مکہ خیال کا سفرنامہ؛ پرورش اطفال؛ جوہر نبات (اشتر مطبع و دیارین میٹھ) ۱۲/۱؛ — حسن بن صباح؛ ایام عرب: مودی عبد حکیم صاحب سرور ایڈیٹر دنگدار کی جدید اور بے بہا تصانیف (المشتر محمد نثار حسین، پی ایم یار، لکھنؤ) ۱۲/۱؛ — جام جم: یعنی ان کی کھوپڑی میں خواص و عادات کے بنائے اور کم و بیش کرنے کی

ترکیب کا عجیب علم؛ کلید تصوف، (چھ سو صفحوں کی کتاب) (المشتر منیر احمد پیر کا س مراد آباد)

۱۲/۱؛ — ناول: — زندہ گرامات: بحر در قطرہ: زندہ جاوید رموز فی انب پرشاد کی تصانیف، مسریم اور اسپر جوہر، آفسوں (فرانسیسی سے) ناول انگریزی میں آیا۔ انگریزی سے سعادت حسین نے ترجمہ کیا، مشرقات، خوبی قسمت، بھول بھیدیں، انشتر ہی؛

قتیل جفا، المشتر انیس بن علی نیر غلام (مراد آباد) ۱۲/۱؛ — شہنشاہ جرن کا سفر سفینہ؛

نگار خانہ منصور (منصور صاحب کی سوانح، ترجمہ لکھنؤ) (المشتر، نیر غلام مراد آباد) ۱۲۔

دیوی کی دو مثالیں: اردو کے دو بڑے ناولوں پر تبصرہ:

امراؤ جان ادا مصنفہ امرا رسوا

"گریجیم" ناول کے اس ہیرو نے بے تمیزی کے غمو، غفلت میں جو فی زمانہ برپا ہو رہا ہے لیکن بعض صورتوں میں عام قاعدہ کے ثابت کرنے کے لئے مستثنیات لازم ہوتی ہیں اور یہ ناول بھی استثنائی فہرست میں داخل ہے۔ لہذا ہم اس کا ریویو ذیل میں درج کرتے ہیں۔

یہ ناول جیسا کہ نام میں سے ظاہر کیا گیا ہے، لکھنؤ کی کسالی زبان میں ایک طوائف کی سوانح عمری اسی کی زبانی ہے جس میں لکھنؤ کے طرز معاشرت کی جو بہ تصویریں، پتے واقعات اور اصلی مقامات کے بے پناہ نقشہ اعلیٰ درجہ کے شاعرانہ ذوق کے ساتھ بنائے گئے ہیں۔ مصنف کا فرضی نام *nom de plume* امرا رسوا ہے۔ لیکن مضامین کی بندش، الفاظ کی شستگی، خیالات کی پچرل روانی صاف صاف پکا کر کہہ رہی ہے کہ کسی بڑے قلم کار کا ہونا۔ اگر تیزی داں کے قلم سے نکلی ہوں۔

لائق مستف اپنی پردن کو عجب ناز و ناز اور دلغری سے اپنے پر لائے ہیں پردہ اٹھائی ناغین کو ایک اعلیٰ درجہ کا خوشنما سین لکھنؤی مشاعرہ نظر آتا ہے جس میں ہر ذوق کے لوگ ہیں تاہم وہ ہم ن کی خوش بینی، عزت، بزم بھی، نوک جھونک، عزت، مال، خواتین، شراب و دواہ غرض کہ ہر چیز کی لذت کو اس خوبی سے دیکھ رہے کہ کوئی تصویر کچھ بھی ہے اور فی الواقع اس مشاعرہ میں جو غزلیں پڑھی گئی ہیں ان کے بعض شعر جو اب ہیں خصوصاً آغا صاحب کی غزل میں تو اکبر آباد کے شہور شاعر کا یہ شعر سنی مروجہ کے کلام سے لے آتا ہے۔ جن مدحوں کو لکھنؤ کے متعارف دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہے ان کے لئے یہ سین بڑا دلچسپ ثابت ہوگا۔ اسی مشاعرے میں بی امراؤ جان تشریف لاتی ہیں کیونکہ وہ بھی مشاعرہ ہیں اور بعد اختتام حسب ذیل نام رسوا صاحب اپنی سرگذشت یا سوانح عمری کہہ سکتی ہیں۔ جس کا ہر ایک سین برک سے کرد و تن کے ایک کی طرح نہعت کے ساتھ ہر گھنٹی پر بدستاب و درین سماں دکھاتا ہے۔

یہ ناول محض قطعہ نہیں بلکہ بہ نثر غور دیکھی جائے تو وہ نوجوانوں اور خصوصاً شہری امیرزادوں کے لئے ایک گائیڈ یا رہبر ہے جو ان کو شہرہ زندگی کے خاروں، لدھوں و رکھوں سے بچانے میں بڑی مدد دے گا اور اس قدر غنت الشبیہ میں نے جو ام ترذیر ہر شہر کے بازاروں اور کلی گویوں میں پھر رہا ہے اس سے غمو غور ہوئے گا۔

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ ناول ہر ایک کے لئے بہت ہی دلچسپ ہے۔

نوع نے دل میں بے یابی البدر اور برجہ اشعار بھی لکھے ہیں جن سے حسن زبان و بلا ہو گیا ہے اور ایک بڑی عظمت ہے کہ ہنسنوں کو شہرت شریعہ کیا ہے جس سے آئندہ واقفیت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔
الغرض اس دلچسپ و دلنریب دل کی خوبیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں، جس صاحبوں کو اودھ کے دارالصلطت کی موسائی کے نوکروں دیکھنے، "فیشنس" مقامت کی سیر کرنے اور کھنڈ کی زبان کے چٹوائے اور مرے لینے کا شوق ہو وہ بدو و بدیہ قیمت بھیج کر مٹی نہاد پرشاد صاحب دربار بادشاہین آباد کھنڈ سے طلب فرمائیں۔

بعض امور جو ہم کو مصنف صاحب کے غور کے قابل معلوم ہوتے ہیں غرض ہوتا ہے کہ نظر کی جیسی طرح ہوتا ہے وہ خوب تحقیق صاحب کے ذہن کے مقوم معنی۔ یہ نہیں کہ یہاں سے دلت ہے جو کچھ کہتا ہے وہ اپنے اندر سے نہیں ڈوب سکتا اس کی خوبیت احمد ۱۹۰۳ء درجہ کر دہ ۱۸۱۳ء انہوں کے خاتمہ کے قریب زبان ہے۔ اس سے طبیعت کو ایک غیر معمولی شعور ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ امر و جان کے مکمل پر نواب سعدن صاحب دراون کٹر باز خان سے جو تکرار ہوئی اور سعدن صاحب چینی مار کر نمودار ہو گئے اس کو قصہ بہ شکل قبول کرتی ہے کیونکہ وہ تو غدر کے بعد ہی کا غیر آئینی زمانہ تھا کہ نول و خوب رقیں چرنے کا موقع تھا۔ ایک انسان پسند اور تجسس طبیعت چاہی ہے کہ اس مقدمہ کی تفتیش ہوتی۔ نواب صاحب کچھ ہی گھسیٹ جاتے کہ ذرا اطوائف کے گھر جانے کا مزاج تھا۔ شہنشاہ شہن اور نوکروں کو بدلت مونی تیسری بات یہ ہے کہ اگر ایک فہرست مضامین دیدی جاتی تو ناہم میں جس سبکٹ کو دوبارہ بڑھ چاہتے اسے نکالنے میں آسانی ہوتی۔ اگرناصل مصنف صاحب مناسب جائیں تو ان میں کا طبع ثانی کے وقت ہو سکتا ہے جس کی نوبت، دل کا عاقبتوینت اور بدلعزیزی کے خیال سے جہد ہنہ کی آئندہ۔ بلوچا اور یوں ۸

فردوس بریں : مشفقہ عبدالحلیم شہر

"ہمارے کرم دوست منشی محمد شام حسین صاحب شاعر، مالک قومی پریس، بہتم گدستہ پیا پیا اور کھنڈے ذوقاً اردو لٹریچر میں پیش بہا اضافہ کر کے جو احسان ملک و قوم پر کیا ہے وہ متحد بیان نہیں ہے۔ پچ پچھو تو یہ منشی صاحب کی ذات ہے، جس نے پچھلی ربع صدی میں اپنے ہر بدلعزیز و مشہور گدستہ کے دامن و صفت میں ایشیائی شاعری کو جو لٹریچر کا جز اعظم ہے جگہ دے کر پی لیا ہے۔ ورنہ وہ سب تک کبھی تک سے رخصت ہو جاتی اور آج اس کا کوئی نام تک بھی نہ جانتا۔ چند غرض سے قدیم شاعری

کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہ سزا م کی گیا ہے کہ گلدستہ مذکور میں ایک اعلیٰ درجے کا زرد بھی تیار ہوتا ہے اور قوی پریس بکٹ بخشی کے سند میں قیمتی کتہ میں بن کی جاتی ہیں۔

زرد زریہ جو ہندوستان کے واسطے سکاٹ مولانا شری مشہور ناولٹ کی تازہ ترین تصنیف ہے اسی سلسلے میں داخل ہے۔ فرد باطنیہ اسماعیلیہ کے تاریخی حالات اور انکی مصنوعی فردوس کی دعربہ حقیقت اور بالآخر ہر کو خاں کے ہاتھ سے ادس کے اندام کی کیفیت بڑے دلچسپ طریقے سے بیان کی گئی ہے۔ مولانا موصوف کے طبع شدہ ناول اب تک جو تہرت اور قبول عام کی سند حاصل کر چکے ہیں وہ انجمن انجمن ہے مگر اس میں کوئی کلام نہیں کہ ان میں کو کوئی بھی اس سے لگا نہیں کھاتا یا یث رہندش قصہ گو بد میں کس قدر پیچیدہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم کسی سو پر نچرل (فوق اعظرة) عدم کی سیر کر رہے ہیں اور ہرگز اس امر کا نتیجہ تک نہیں گزرتا کہ یہ فردوس بریں کی دلفریب و دلچسپ ہزیاں اور اس کے مریع و زریکار عدت و جور و تصور حقیقتہً انسانی صنعت کا نمونہ ہیں۔ لیکن بابائے شتم افشاں کے زائے یڑھتے ہی یہ طسم آن واحد میں ڈٹ جاتا ہے اور خداے عزوجل نے اپنی قدرت کاملہ سے جو طاقت اثرات و محذرات حضرت انسان کو خدا کی ہے اس کا کرمہ نظر آ جاتا ہے۔ ہم اس ناول کی تعریف کہاں تک کریں۔ اگر اس کی سب خوبیاں بیان کی جائیں تو دیب کا پورا ایک غیر بھی کافی نہیں ہو سکتا۔ ہم بیجم کہتے ہیں کہ ہم نے جس وقت سے اس ناول کو ہاتھ میں لیا بغیر ختم کئے نہیں چھوڑا۔ جن صاحبوں کو فردوس بریں کی سیر کرنے کا ترق ہو ان کو حسین ایہ دکان نام ہے اکی سی مادیق تکلیفیں اٹھانے، شیخ اطایف باطنیہ شریف علی وجودی کی بیعت کرنے، امام نجم لدین شوری اور امام نغریں حمد جیسے علماء و شیوخ و تانت کو قتل ہوتے ہوئے خود دیکھنے کی کئی ضرورت نہیں ہے۔ صرف ایک و پیر خرچ کر کے منشی شام حسین صاحب تک قوی پریس لکھوے طلب کر لیں اور جب جی چاہے گھر بیٹھے فردوس بریں کی سیر کر لیا کریں۔ (دربارہ ۱۱)

نقہ:-

اردو انٹرچیکر: ہماری نظم و نشر اسید مجددی شہری، ۱۱/۱۱۔

— ایسی ہی تہذیب کی اہمیت بد یورپی تہذیب پر اس کی فوئیت: ہندوستان میں غم کے نقص کی قدرت کے لیے۔ زمینی یاد میں غلطی نہیں تو سب سے پہلے جناب ریاض خیر آبادی نے گلدستہ نکالا پھر پیا کیا۔

وغیر دس بیس گندے نکلے... آخر میں ہمارے مخدوم حسان الہند مولانا شوکت میرٹھی اڈیٹر مولوی ہند نے
بہرہ دانہ نامہ ایک ہوری گندہ جاری کیا جس میں بعض مفاد میں فاضل اڈیٹر کے قلم سے نہایت قابل قدر کچھ
لکھے اور امید تھی کہ یہ بعض غزوتوں کو پورا کرے گا۔ لیکن ہمارے مخدوم کو اڑالی سے فرست بھی تو ہو۔

لٹریچر کا نمونہ : مغربی ترکیب : مسترقی مذاق : نیچل حالتوں کا نوڈ (اشہری) ۱/۴ : لٹریچر : ہماری
زبان : اعلیٰ کورس کے لئے (اشہری) ۱/۴ : نیچل نظم : فلسفہ مذہب : اعلیٰ کورس کے لئے (اشہری)
اُردو شاعری : اور ایک فلسفیانہ امداد حی خیال (محبوب الرحمن کلیم دہری) نظم گداہی منتظم
بے کلاس سینٹ جانس کالج (اگرہ) ۲/۱

— دنیا کی تعریف : دوسرے درجہ برادر : حسن : تعلیم : بعض : شرق : منظر کے نام لئے ہیں۔
روحیت غنئی کی نفی کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ شعر میں انداز و تہذیب کے سبب میں محکوم جوئے کا اسی قدر
اظہار خیالات کا دائرہ بھی محدود ہو گا۔

ایسے :- • انسان میں ترقی کا مادہ (مخدوم قوم میر عبد رادین حسین بڑودوی) ۱/۴ ؛
افسار عام : رپادری منور خاں (۱/۴) : ارتقاء کائنات : ارتقاء ذہن : انسانی ریسرچ وغیرہ
• زمانہ کی ترقی اور ہمارا اتہا : مخدوم الحقین عدم رسول واحد (۱/۸) : انسانی اخلاق (نہال احمد
عسوی حمیدی) ۱/۸ : انسان کی آمد و رفت (محمد اکبر امدادی) ۱/۱۰ : ریاضت : شجر
کی پسنیری میں ایک نقوی دوا رسید محمد سی شہری (۱/۱۰) : گردش ایام (رحیم احمد جمیل
از نیر اعظم، ماد آباد) ۱/۱۱ : سال نو کا خیر مقدم (نہال احمد عسوی حمیدی) ۱/۱۱
منظومات : قطعات : سائبرہ ادیب ۳۱ ہجری نبوی مسموع (ڈاکٹر علی محمد حسین گوداوری) ۱۲/۱
بے شہرتی زمانہ : سب کہتے ہیں عام رویا میں نذر کائنات : ربابہ درگا سہائے سرور
جہاں آبادی ۱/۱۱ : نور جہاں کا مزار : ربابہ درگا سہائے سرور جہاں آبادی : تمبذ حضرت بیان
دیزدلی رئیس میرٹھ (۱/۹) : نیچل شعر : سرور جہاں آبادی : تمبذ بیان دیزدالی (۱/۸) :
• قطعہ قادی : درشیرون نواب محمد یحییٰ رشکی (رمضان) ۱/۶ : نیچل نظم : فلسفہ مذہب
اعلیٰ کورس کے لئے : (امجد علی اشہری) ۱/۵-۶

متفرقات :

صدی سب شروع ہوگی : ”کم جنوری ۱۹۰۰ کو“ یا ”کم جنوری ۱۹۰۱ کو“ اس سوال پر

بحث ہو رہی ہے۔ معلوم کیا جا رہا ہے کہ اس صدی کے خاتمہ پر آئندہ صدی شروع ہو جاتی ہے اور بعض کا توں ہے کہ ۱۹۰۰ء انیسویں صدی کا آخری سال ہے اور اس کے بعد بیسویں صدی شروع ہوگی اور حقیقت میں آخر الذکر حق بجانب ہے۔ کیونکہ جب تک ایک سیکڑہ پورا نہ ہو دو سو اس طرح شروع ہو سکتا ہے۔ ۵۹ کے خاتمہ پر دو سو نہیں ہو جاتا صدی کا آخری سال پورا ہوتا ہے۔ اسوں نیز صدی پورا۔

جنوری کے متعلق عجیب و غریب معلومات : ہماری جنوری میں کی باتیں واقعی عجیب ہیں۔

(۱) کوئی صدی چار تہائی جمعہ اور تہائی جمعہ نہیں ہو سکتی۔ یعنی کسی صدی کی پہلی تاریخ دن میوں دنوں میں واقع نہیں ہو سکتی۔ (۲) کسی سال کی جنوری بیسویں برس سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے۔ (۳) اکٹوبر کی پہلی تاریخ کو ہمیشہ وہی دن پڑے گا، جو جنوری کی پہلی کو ہوگا اور اسی طرح اپریل کی پہلی تاریخ کا کم و بیش سے یکم ستمبر اور یکم دسمبر سے ملنا دن کے مطابق ہوگی۔ (۴) فردری مارچ اور نومبر ہمیشہ سے ہر سال ایک ہی دن شروع ہونے آئے ہیں۔ (۵) مئی جون اور اگست ہمیشہ متفرق دنوں سے شروع ہوتے ہیں اور کبھی دن میں بقیہ نہیں ہو سکتی۔ (۶) سال کا پیدا اور آخری دن ہمیشہ ایک ہی ہوتا رہے گا۔ یعنی اگر کم جنوری کو دو تہائی تو ۳۱ دسمبر کو بھی فردر دو تہائی ہوگا۔

نوٹ : سال کیسے میں ان قواعد کی پابندی ٹوٹ جاتی ہے :

بعض مشہور انگریزی شاعروں اور مصنفوں کے یادگار مقولے (متزجرات) :

”شیکسپیر :- (۱) نہ قرص و نہ قرض دو۔ (۲) غنّے کی آگ کو تحمل کے پانی سے بجھاؤ۔ (۳) جس معاملہ کے بگڑنے کا اندیشہ ہو، اس کی درستی میں عجلت کرو۔ (۴) اپنے ہر مقدمہ میں ملک کی بھلائی، خدا کی اطاعت، اور حق کی تلاش مد نظر رکھو۔

لارڈ ڈیملہ :- خوش فتنی کے معنی یہ ہیں کہ تھوٹے چھوٹے امور میں بھی مروت برتی جائے۔

بیرٹ :- خدا شفق و شفقت ہے اور حبیب شکر ہے، نسخہ ٹھہرنا ہے، ڈرا بیڈن : زیادہ سوچو، کم بولو۔

بیرک :- جینر سوت پڑھنا ایسا ہے، جب کہ بغیر غم ہوئے گا، نا : کو پر : کفایت سعدی فی غلبہ

بڑی آمدنی ہے، لیکن : احتیاط سے گھٹو کرنا، فصاحت سے بہتر ہے، لوتہ : دھتور سے بہت

علامت کے مروت سے زیادہ کام نکلتا ہے؛ بشپ پور ٹیلٹس : بُرے خیال جلد بُرے افعال کی طرف رجوع کرتے ہیں؛ لیبریر : نفس وہ ہے جس کا خرچ آمدنی سے زیادہ ہو؛ ایل اسٹریج : ناشتری خدا اور ان دونوں کو ناپسند ہے؛ رکٹر : خوشیاں ہمارے لئے مشن پروں کے ہیں اور تکلیفیں مثل ہیزوں کے؛ رٹزبری : نیکی کے موقع کو ہاتھ سے مت کھوؤ؛ پٹمین : انقباض اوقات علامت ہے ایک مضبوط پسند بصیرت کی۔ (متزجہ ایڈیٹر) ۱-۵-۶

لارڈ برے کی دس نصیحتیں (متزجہ ایڈیٹر) ۱-۵-۶

(۱) جب تم جوان ہو اپنی شادی کرنے میں نہایت احتیاط اور اندیشہ سے کام لو۔ کیونکہ اس وقت سے تمہاری آئندہ کی جلدائی اور برائی کی بنیاد پڑیگی۔ (۲) اپنی اولاد کو علم اور اعانت سکھاؤ اور ادنیٰ تعریف سبک سے کرو اور سرزنش چلچلہ۔ ان کا کھانا اور پہنا اپنی حیثیت کے موافق درست اور ٹھیک رکھو ورنہ تمہاری زندگی تلف ہوگی۔ (۳) اپنے دوستوں و عزیزوں کی بخولی تو فہم اور کرم کرو اور ان کے نیک کاموں میں ان کی عانت کر دو کیونکہ اس وسید سے رستہ رحمت و چند سکھم اور مضبوط ہو جائے گا۔ مگر خوشامدیوں سے پرہیز کرو۔ (۴) جتنک تمہارا کوئی سخت غم نہ ہو کسی نفس پر ناش زرد کیونکہ اس ناش اوس کو دراصل اپنا ہسر بناتا ہے۔

(۵) اپنی جان و مال حتیٰ الوسع اور کسی کے سپرد نہ کرو۔ خدا جانے دو کب تم سے جدا ہو جائے اور بھرتم کو اس کا غم میں زندگی بسر کرنی ہو۔ (۶) گفتگو میں سخت کلامی نہ کرو۔ زبان شیریں ملک گیر ملک مشہور ضرب المثل ہے۔ ہجو سے لوگ نفرت کرنے لگیں گے۔ ۱-۵-۶

مختلف قوموں میں مزاج پرپی کے فقرے : (متزجہ ایڈیٹر)

انگریز : "بے ہو؛" فرانسیسی : "کیسی گزرتی ہے؟" جرمن : "کیونکر بسر ہوتی ہے؟" روسی : "خدا تمہیں صبر عطا کرے" ہسپانی : "تمہاری عمر دراز ہو" مصری : "آپ کو پسینہ تو خوب آتا ہے؟" یونانی : "خوشیاں مناتے نظر آؤ" ایرانی : "تمہارا سایہ دراز ہو" عربی : "تم پر سلامتی ہو" چینی : "تم نے خوب کھیا؟" ہندو : "دوست ہے؟" عبرانی : "تمہارا خندان پر امن کا سایہ ہو" افغان : "تندرستی ہو" (۱-۵-۶)

۔ فن انجیزی کی حیرت انگیز ایجاد : ایک پڑی ک برنی ریوے : رفتار ۲۰ میں؛

• چھاپے کی ایجاد نے زمانہ حال میں کس قدر ترقی کی ہے ۵/۱-۶ • چھاپے کے فن میں مقرب
 القرب خفیم: اگر ہنسے رقی قوت سے جیسے کے حردن کے ذریعہ ہر ایک تروف میں ہزاروں مکھوں کا پرین
 چھاپنے کا طریقہ ایسا ہے: • مصنوعی چاند: کو لیبیا یونیورسٹی لائبریری میں، خواندگی کے لئے ایک
 بڑا چوبلی گولتیا رکھا ہے: • امریکہ کے ایک قصبہ میں شہر کے چاروں طرف چار توپیں رکھی ہوئی ہیں۔ جب
 کبھی سخت ہول آتے ہیں تو ان میں بارود بھر کر بادلوں کو اڑا دیا جاتا ہے۔ اور اس طرح قصبہ کو سخت رست
 سے بچایا جاتا ہے: (ماخوذ از اخبار سائنٹفک امریکن) • پیرس اور برلن کے درمیان ۵۰ میل سے زیادہ
 کے فاصلے پر خط پہنچانے کے لئے ایک ایسی نئی تیار کردہ لکڑی کی لکڑی ایک شہر سے دوسرے شہر میں ۳۵ منٹ میں پہنچ جاتی ہے۔
 صنعت و حرفت وغیرہ: ۱۱/۱ • امریکہ کا سوجہ ڈیسن ایک ریل گاڑی بنانے
 میں معروف ہے جو ۲۴ گھنٹے میں ۵۰ میل چھے گی • امریکہ میں بھی ان لوگوں سے روکوں پر چھوڑ دینے
 کا رواج سرد ہے • چھوڑ دیے بغیر بجلی میں جنہوں نے جہی سے میکینیکل انجنز کا امتحان کیا۔
 مفید و دلچسپ معلومات: ۱۰/۱ • کدسیہ کے برابر دنیا میں کسی عورت کا پاؤں چھو
 نہیں ہے۔ ان کا بوٹ صرف ۲۶ اینچ لمبے • بھئی کے ایک مسلمان، جرجاجی محمد سیٹھان نے بڑی فیاضی سے
 ڈیڑھ لاکھ روپیہ اپنے قصبہ کا کل جاری کرنے کے لئے دیا۔

(۵)

ذکر آباد کاریہ: ابن رادیب ۱۵۰۰ء کی آخری دہائی میں ۱۸۹۹ء کی جنوری سے دسمبر تک ۱۲ پرچہ نکال کر
 اور دور رسوں کی تاریخ میں ایک سنگ میل ٹھہرایا۔ اس رسالہ کی نوعیت کئی لحاظ سے غیر معمولی ہے۔ اس نے عربی
 سے اس میں بھی ہی نہیں۔ منقولات کا حصہ جسے شورش زبانی کے بغیر محض ذرا نہیں ڈالتے۔ ہونے کے برابر ہے۔ انت
 برائے انت (میں نے علی والی: یا بعد کلاب بیعت) اس رسالے میں کہیں نظر نہیں آتی (ایسے کے عنوان سے ہونے
 جن تحریروں کو کبھی مذکور کیا ہی نہ بھی تھا اور کارآمد عنوانات پر اس رسالے کا جو اصل مقصد ہے اس سے کوئی شائبہ
 اور اسامی بہت نظر نہیں آیا۔ مختصر سے مختصر سے زیادہ علمی اور سائنسی معلومات دینے کی کوشش ہے راجحہ
 خود ابدیر کے قلم سے ترجمہ یا طبعاً ادبوتا تھا جس میں سائنسی معلومات، اہم علمی و فنی کی سہی اطلاعات جمع کی جاتی تھیں
 اور محکماتوں پر تفصیلی دیوید ہونے لگے۔ اس کے علاوہ سائنسی موضوعات پر مبسوط مقالے بھی لکھوائے جاتے تھے۔ یہ سچ
 کے چاروں درجہ کا کام تھا مضمون یا لائق حیات انسانی پر یا دینی موضوعات کا مضمون، یا ظلم الارض پر علم ہیئت پر
 مضامین، یا سب اس پرچہ کو ایک غیر معمولی درجہ دینے کے لئے کافی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اتنی کم عمری کے بھی اپنے عہد میں ہی ایک
 (Penna) محمد زادہ ستان بن گیا تھا!

محمد یونس خالدي

مولانا ابو کلام آزاد، ممبر پارلیمنٹ، لاہور
- بشیشم راتھروڈ، لکھنؤ

ابو الکلام آزاد کے خط کے بارے میں

مولانا آزاد کے گرامی نامے کے عکس کا شکریہ۔ تحریر کے متن نے یقین میری پہنچ کی یہ
مکاتیب ابو کلام آزاد مرتبہ ابوسلمہ شاہجہاں پوری کے صفحہ ۷۵ پر شائع ہو چکا ہے، یہ خط
یقین مولوی عبداللطیف صاحب، الٹ اخبار "دارالسلطنت" کے نام ہے۔ دارالسلطنت کا
اجراء ۳۴ مئی ۱۸۸۱ء میں ہوا تھا۔ دور ثانی کا سنہ اشاعت ۱۸۸۷ء ہے، دور ثالث کی ادارت
کے لئے مولانا آزاد کو آمادہ کیا گیا۔ اس کی خوشخبری مولانا نے ۸ دسمبر ۱۹۰۶ء کو خواجہ حسن نظامی
کو سنائی تھی (ماحفظ فرمائیے) اتالیق خطوط نویسی مرتبہ خواجہ حسن نظامی چوتھا ادیشن صفحہ ۵۰) اور
مولوی انش، اللہ خاں مرحوم، الٹ دیر "وطن" لاہور کو اس مزدور سے ۱۲ دسمبر ۱۹۰۶ء کو
شاد کام کیا تھا (دیکھئے تبرکات آزاد، مرتبہ غلام رسول مہر بندوستان ادیشن صفحہ ۱۵۹) یہ اخبار
مولانا کی ادارت میں غرور نکلا تھا، اس کے ثبوت میں علامہ شبلی کا وہ خط پیش کیا جاسکتا ہے جو
انہوں نے ۵ مئی ۱۹۰۷ء کو خواجہ حسن نظامی کو تحریر فرمایا تھا، جس میں لکھتے ہیں کہ:
"آزاد دارالسلطنت" میں پھنس کر نکل گئے۔ اب وکیل نے ڈویس ڈسٹ میں غریب
نک گردن کس کس سے بچ سکتی ہے" (اتالیق خطوط نویسی صفحہ ۵۰) خط یقیناً اہم ہے۔ مولانا کی
زندگی کے متعدد گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔ مولانا نے ڈھاکہ کا سفر کیا تھا۔ مگر مسلم لیگ کے
جلسے میں شرکت کے لئے نہیں بلکہ آل انڈیا اینگلو اورینٹل بکیشنل کانفرنس میں شرکت کے لئے۔
یہ اتفاقی بات ہے کہ مسلم لیگ کا قیام بھی اسی موقع پر عمل میں آیا۔

۶ نیرین ۳۳ - سوہ مزاجی ۲۹ - اوس بلف مقصورہ ۳۲ - منظر ۵ - خرخر کرنا منقہ ۱۰ -
 بن جوت کر کرڈ لکھڑ ۶۱ - گورہ ۱۱ - دوی اس نہایت میر اس دکھ میں جو ہو دیگی گورہ ۳۳ - شکل ۱۲ -
 ۹۳ - ۱۳ - نقد و نظیر ۹۵ - ۱۴ - ستاد ۹۶ - ۱۵ - دودھ دشت ۱۶ - دیباہ ۹۷ - ۱۷ - مانگوں ۱۸ -
 الجع مک ۱۲ - ۱۸ - ذرخیم ۲۵ - ۹ - جمنٹ ق دشت ۱۵۳ - ۲۰ - اوستاد ۲۱ - بن کاری
 کہ تو بن برون ہیں دہ دستار ۲۲ - بشت = بشت ۲۳ - مصالحہ ۱۴۳ - ۲۴ - ہون
 ۲۵ - تبارست ۲۶ - زوال ۲۷ - خزان ۲۸ - زفت "پھر زفت" ۲۹ -
 بھڑک "بھڑوں میں ہر جہاں کو تو نظر دار بھڑک" ۳۰ - بدستہ ق گدای ۳۱ - نیرک
 ۳۲ - اندر کرنا ۳۳ - تہت ۳۴ - بہار ۳۵ - استعجب ۳۶ -
 اوس ۳۷ - آزادہ عورت ۳۸ - غم ۳۹ - افتاد ۴۰ - چاکوب ۴۱ -
 زقوم ۴۲ - دھندلانا ۴۳ - اتران "اتر ان نجوم" ۴۴ - چکچک ۴۵ -
 ڈاٹ دیا "نوش سر دین کو دیکھو اب ڈاٹ" ۴۶

(۵۵) غزلیات میر حسن، مرتبہ ڈاکٹر ذک الحق، ۵۰ صفحہ

۱ - عدل "عداں فق کی ہر دی شکست کا صدمہ دجگ میں" ہر مذکی ذات کی ۲ - محسن
 "صورتی ہر بی گزاری یہ کائنات ہے غنیمت ہے ہر دوڑوں جہاں میں تر" ۳ - بدوباشی مذکر و درسا
 گئی کہ کھٹن تھا بدوباشی "پناہ" یہ شعر کا معنی ہے اور "پناہ" دلیق یا تائب نہیں ہے انہی میں
 اپنی ہو کر گیت میرسن کے چار پانچ نسخے دیں فرمے کہ میں ان میں "پناہ" ہی ہے اور ڈاکٹر ذک الحق کو جو کسی نسخے
 میں جو ان کی نسخہ گزرا ہے اور انہوں نے تم دیکھیں ۲۰ نسخے دیکھیں ان میں "پناہ" ہے اور "پناہ" ہے
 کہ میرسن نے اپنا ہی لکھا تھا ۴ - آفات کرنا کسی پر ۲۶۵ - ۵ - اشتہار یہ کن ہے یہ دجہاں میں میرا
 "ماشتہار دونا" ۶ - ذکر اور اذکار "نہ پھر پھر کو کچھ ذکر اور ذکر اور ذکر" ۷ - دشت
 "کعبہ سمجھ کر میر کی اس دل کے گھر کو دیکھو" ۸ - افغان = افغان ۹ - پناہ "پناہ" موش میں موش نہیں ہے
 سو سنا ہے اس کو ۱۰ - بھڑک پناہ اس کو وہ ترانہ کی ۱۱ - جنیاب ۳۸ - ۱۲ - دھیرا ق پھر اس کو کوئی مذکر
 کوئی لول کوئی کانا کوئی ڈھیرا ۱۳ - خانہ جنگی کرنا ۱۴ - آصف میں خانہ جنگی ۱۵ - پست ۱۶ -
 چھپنڈا (بند شدید پناہ) "میر کی روئی سے عاجز ہیں چھپنڈا" ۱۷ - رت = رتہ ۱۸ - رتہ ۱۹ - رتہ ۲۰ -

(۵۷) دیوان مصحفی ۱ (عربی محبس دہلی) ۵۵۵ آصفیہ x ۱ - نامہ پردازی دریا ۲ - نام رکھنا
 کسی پر نہ آئے انوار و سبک گہر پر رکھا ۵۵۵ - ۳ - جرم رکھنا کسی پر بہرہ نشاندہ ثبت برین سفر پر رکھا
 م - بہرہ رکھنا ۱ - ہم ک نام کا بہرہ رکھنا ۵۵۵ - ۵ - خفگی ۵۵۵ - ۶ - زین باغ ۵۵۵ - ۷ - دھواؤں نہ خاک
 میں زین زائل ۵۵۵ - ۸ - یک چوک ۵۵۵ - ۹ - جہان نام ۵۵۵ - ۱۰ - ارتکاب
 ۵۵۵ - ۱۱ - عدم = معدوم ۵۵۵ - ۱۲ - تزلزل ۵۵۵ - ۱۳ - نور و زری کرنا ۵۵۵ - ۱۴ - غفلت و غور با زرخند ۵۵۵
 ۱۵ - باریں بہرہ ۵۵۵ - ۱۶ - برہم زن ۵۵۵ - ۱۷ - گشتن ۵۵۵ - ۱۸ - دو کا "گہ فاران کتہ میں کچھ مصحفی ہندی
 ۵۵۵ - یعنی کدیری بیع کا گھوڑا ۵۵۵ - ۱۹ - چمک ۵۵۵ - ۲۰ - بیدار چنا ۵۵۵ - ۲۱ - دنیا زوری ۵۵۵
 ۲۲ - کھوٹے ہیں ۵۵۵ - ۲۳ - میں کتہ میں تو سو کوں زنی ۵۵۵ - ۲۴ - غیب ۵۵۵ - ۲۵ - خست کرنا
 ۵۵۵ - ۲۶ - من جہد ۵۵۵ - ۲۷ - دوختی ۵۵۵ - ۲۸ - زیناری ۵۵۵ - ۲۹ - رکھنا ۵۵۵
 ۳۰ - فتح قحج ۵۵۵ - ۳۱ - زک زری ۵۵۵ - ۳۲ - قمر زری ۵۵۵ - ۳۳ - قری ۵۵۵ - ۳۴ - چپیں ۵۵۵
 ۳۵ - کچھ میں کہ بات ہر شانہ ۵۵۵ - ۳۶ - مسدود ۵۵۵ - ۳۷ - تیدہ ۵۵۵ - ۳۸ - زری کا جید طری ۵۵۵
 ۳۹ - بھر ۵۵۵ - ۴۰ - ذبت کجید ۵۵۵ - ۴۱ - زراعت ۵۵۵ - ۴۲ - غلام ۵۵۵ - ۴۳ - ۵۵۵
 ۴۴ - فروشدہ ۵۵۵ - ۴۵ - خوش زور ۵۵۵ - ۴۶ - چننا ۵۵۵ - ۴۷ - تسخیر ۵۵۵ - ۴۸ - امین ۵۵۵
 کہ ترا جوس امین بڑا ۵۵۵ - ۴۹ - روپ ۵۵۵ - ۵۰ - دنیا پر روپ ۵۵۵ - ۵۱ - محض مفہوم ہوئی ۵۵۵ - ۵۲ - بات لی
 ۵۳ - دھندھلی رصفت چارپائی ۵۵۵ - ۵۴ - بزن ۵۵۵ - ۵۵ - معارف ۵۵۵ - ۵۶ - فقور ۵۵۵
 ۵۷ - محض "خلل بغیر" ۵۵۵ - ۵۸ - وصف ٹوٹ "ہونہار تیز دیت تانہ دی ۵۵۵ - ۵۹ - کس طرح کسب
 ۶۰ - ہوں وصف زنی" ۵۵۵ - ۶۱ - چوزہ کا رخصت مبطوع میں خوزا غلط محض ۵۵۵ - ۶۲ - رسوم بھورد حد یعنی جو
 اس کا رسوم ۵۵۵ - ۶۳ - بارہا تک وہ رسم پہن ۵۵۵ - ۶۴ - رود زود ۵۵۵ - ۶۵ - حری ۵۵۵
 ۶۶ - زباجی -

(۵۸) دیوان مصحفی ۲ (عربی محبس دہلی) ۵۵۵ آصفیہ x ۱ - تانہ کارہ ۵۵۵ - ۲ - زین
 "سرخ زین کا کون سی تواریں رکھا" ۵۵۵ - ۳ - زینگی ۵۵۵ - ۴ - خواش ۵۵۵ - ۵ - بارہا ۵۵۵ - ۶ - زین
 "کھانا تک تو ایسی پھر کرایدھر دھر چکا ۵۵۵ - ۷ - نزد ۵۵۵ - ۸ - چاؤ بھری ۵۵۵ - ۹ - بھونا ۵۵۵
 ۱۰ - خندہ قانعہ کر بھویا" ۵۵۵ - ۱۱ - نشید خواں ۵۵۵ - ۱۲ - ادھر گ ۵۵۵ - ۱۳ - رود بھونہ ۵۵۵

[illegible]

تکفؤ مصنف بخدا بخش لائبریری

حسین خدیو حرم مستشار فرهنگی سفارت کبیری ایران در کابل

۱- آن روزها - ترجمه الایام تصنیف طه حسین، تهران، چاپ خواجه، ۱۳۵۰ شمسی، ۲۸۴ ص -

— ترجمه خودنوشت طه حسین

۲- گفت و شنود فلسفی در زندان ابو العلامعری ترجمه مع ابی العلام فی سجینه تصنیف طه حسین

تهران، انتشارت زوار، ۱۳۴۴ شمسی، ۲۸۴ ص -

۳- ترجمه احیاء العلوم تصنیف ابوالفدائی، تهران، بنیاد فرهنگ ایران، ۱۳۶۰ هجری

— در زبان علم منطق، ریاضیات، علم طبعی، علم ادبی، علم فقه و علم کلام

۴- ترجمه رساله النجوم تصنیف ابوالعلی سینا، با تصحیح و مقدمه و تعلیقات - تهران، بنیاد فرهنگ ایران

۱۳۵۰ شمسی - ۱۳۶ ص -

— در ماد؛ ابدال مذمب تن سنجین؛ بقوه روح و پس زمرگ -

۵- میراث مشترک فرهنگی در ایران و مصر - تهران، ۱۳۵۴ شمسی - ۴۶ ص

۶- ترجمه جبر و مقابله، تصنیف ابن عربی خوارزمی، تهران، چاپ خواجه، ۱۳۴۸ شمسی، ۵۰ ص

۷- احیاء علوم الدین، تصنیف امام غزالی، ترجمه فی مویده الدین محمد خوارزمی، ترتیب و تصحیح - تهران،

بنیاد فرهنگ ایران، ۱۳۵۲ شمسی، ۵۳۵ ص

— کتاب ترتیب عجایب دل؛ کتاب رباعیات نفس؛ کتاب آفت؛ شہوت و فرج تکلم؛ کتاب آفتابانی؛

کتاب آفت چشم و غیره -

۸- احیاء علوم الدین - ج ۲ - بیع مهمات، تصنیف غزالی، ترجمه فی مویده الدین محمد خوارزمی،

تهران، بنیاد فرهنگ ایران، ۱۳۵۱ شمسی، ۴۵۱ ص

— کتاب علم؛ کتاب قواعد عقاید؛ کتاب اسرار طهارت و مهمات آن -

۹- احیاء علوم الدین - ج ۳ : دنیا لاریع عبادت -

— اسرار نماز؛ اسرار زکات؛ اسرار روزه؛ اسرار و مهمات ج، اسرار تلاوت قرآن؛ ذکرها

و دعاها، ترتیب و ردحا -

۱۰- مسیر طالبی یا سفرنامه ابوطالب خان کهنوی (مفتی لندی)، تهران، فرانکلین، ۱۳۵۲ شمسی

— سفرنامه یورپ در ۱۷۹۹ - ۱۸۰۳

• شاہ ابوالحسن ریز فاروقی، درگاہ شاہ ابوالخیر دہلی۔ ۶

۱۔ علامہ ابن تیمیہ: علمی تحقیقی جائزہ۔ درگاہ شاہ ابوالخیر، دہلی، ۱۹۷۶ء، ۱۲۹ ص
— دہلی کی شہر نشین درگاہ کے سجادہ نشین کے قلم سے "قال النبی انزلوا الناس من زہمہ کے سرخار کے ساتھ ایک علامہ جائزہ۔

۲۔ حضرت مجدد اور ان کے ناقدین، درگاہ شاہ ابوالخیر، دہلی، ۱۹۷۷ء، ۲۵۵ ص
— مکر خط حضرت مجدد: احوال، مالیات، شیخ اکبر و حضرت مجدد: شواہد تجرید: آپ کی نفی: دیگر اہل عباس رضوی کی کتاب کا جائزہ۔ پروفیسر مجید ب کی تحریروں کا جائزہ، انوار نقوی کی کتاب کا جائزہ
۳۔ مقامات خیر، دہلی، درگاہ شاہ ابوالخیر، ۱۹۷۲ء، ۸۰ ص

— جون حضرت شاہ ابوالخیر رحمہ اللہ علیہ نے مجددی دہلی قدس سرہ۔ اس کا دہلی ترجمہ بھی ۱۹۷۰ء میں تھیں جگہ۔
• محمد ظفر الحسن کراچی

۱۔ دیوان دل غظیم آبادی (ترتیب) کراچی ۳۔ مکتبہ مہر خور، ۱۹۷۴ء، ۱۶۸-۸۴ ص
— پیشقادر سید نسی احمد بلگرامی مرحوم کے قلم سے جنہوں نے نسخہ دیوان دریافت کیا: علی براہیم خان جن کے خدایاں سے نسخہ ملا کے خاندان کا دل بھی درج کیا ہے۔

— مقدمہ ۳۰ ص۔ خدائی حالات: دل تزاروں اور گزروں میں: احوال دل: بعض بعد شہادت
کے شادی: اعطاء دینی وراثت: دل اور غالب۔

• اختر راہی، سرگودھا

۱۔ مسعود عام ندوی: سوانح و مکتوبات پاکستان، سرگودھا روڈ، پنجاب، ۱۹۷۵ء، ۱۰۴ ص
• م۔ احمد، دہلی

۱۔ دل لگی اور کچھ دل لگی، دہلی، انجمن بک ڈپو، ۱۹۷۵ء، ۱۲۸ ص

— طنزیات

۲۔ شگونی، دہلی، انجمن بک ڈپو، ۱۹۷۴ء، ۱۰۴ ص

— طنزیات

• شکیل احمد صدیقی، الہ آباد

۱۔ تصوف اور اس کی فتنہ تاریخ، لکھنؤ، نعمت اللہ و ڈاؤن آباد، ۱۹۷۴ء، ۲۰۶ ص
• جالب کاسمی، سری نگر

۱۔ دیوان جالب سری نگر، ستمبر اشاعتی کالونی، ۱۹۷۴ء، ۳۶ ص

— سرگودھا کے قریب کشمیری آزاد کی تصویریں اس کتاب میں مل جائیں گی جو بیسویں صدی میں کشمیری
کے خدو سے مشہور ہیں۔ ●●

ted ideas. He has proved that the present calendar should be rejected and replaced by a purely solar reckoning, and once this is accepted the adoption of the **WORLD CALENDAR** will follow as a necessary corollary, being a distinct improvement over the present system. Dr. Ali has indicated the correct line of approach to the problem. It is now for the Muslim leaders **to think and to act.**

"I believe that the inexorable forces of nature will sooner or latter carve out a path for the truth of this thesis, through the religious dogmas and superstitions in which much of the Muslim world is still submerged. I congratulate him on his bold liberalism and I am sure his ideas will have the widest publicity in the realm of the Crescent."

Prof. Prankumar Ghosh, Vishva-Bharati University, Bengal, J of C. R. New York, Dec '53, p. 190

5. At the end of the Alberuni and Aryabhata Seminar convened by the Abul Kalam Azad Oriental Research Institute in May 1977, it was **RESOLVED** that
THE STUDY OF ISLAMIC SOLAR AND LUNAR CALENDARS BE REJUVENATED KEEPING IN VIEW THE SUGGESTIONS OF DR. HASHIM AMIR ALI

Resolution moved by Khwaja Muhammad Ashraf

Seconded by Dr. Sa'eed Muhammad Agha

9. *The Message of the Qur'an-Presented in Perspective*, Charles F. Tuttle Co. Rutland, Vermont and Tokyo, Japan. A full translation of the Qur'an, with the 114 Suras with original Arabic text presented in perspective order. The *Nasi* explained in Appendix A at the end of the volume.
10. The Genesis of the Primary Lunar Calendar and its Influence on World History. A printed Paper distributed at the meeting of the American Oriental Society, held in the Museum of the University of Pennsylvania, Philadelphia, Penn. in March 1976.
11. The 'Month' in the Qur'an, ISLAMIC CULTURE, Hyderabad, India Vol. II, No. 1, January 1977.

EARLIER COMMUNICATIONS

1. *FACTS and FANCIES*. Hyderabad, India, 1947. A book of 288 pp., a majority among them analysing the four calendars then prevalent in Hyderabad State, and substantiating for the first time the thesis that the two verses of the Qur'an (IX: 36, 37), generally interpreted as the prohibition of intercalation, in fact, implied a suggestion to adopt the purely solar calendar then prevalent both among Iranians and Christians as against the lunar solar calendar of the Jews, which was then being followed more or less closely, by the Muslims.
2. English translation of Cussieu de Perceval's article on the Arab Calendar before Islam, published a hundred years ago in *Journal Asiatique*, Paris, in 1843. ISLAMIC CULTURE, Hyderabad, India, Vol. XXII, No. 1, April 1947.

 French Observations on Perceval's 100 Year Old Note on the Arab Calendar before Islam, ISLAMIC CULTURE, Hyderabad, India, Vol. XXII, No. 2, April 1948.
4. The Crescent and the Moon. JOURNAL OF CALENDAR REFORM, New York, Vol. XXIII, No. 2, June 1953. This article repeated the thesis originally presented in *Facts and Fancies*, 1947, and suggested that the Muslim countries accept the proposed World Calendar then under consideration at the United Nations.
5. The First Decade in Islam, THE MUSLIM WORLD, Hartford, Connecticut, April, 1954. Referred to by Montgomery Watt in *Mohammad in Medina*, p. 339.
6. Earth's Calendar Horizons. JOURNAL OF CALENDAR REFORM, New York, April, 1954. A resume of the four calendars analyzed in item 1 above.
7. The Jews' Origin of the World Calendar. JOURNAL OF CALENDAR REFORM, New York, December 1954.
8. Must the Han Ruler Recognize S. ISLAMIC REVIEW, Woking, England, March 1956.

the solution which has now been discovered and elaborated in these lectures :

"My own theory, which I hope one day to support with evidence, is that the transposition of a mid-summer month to mid-winter was probably the outcome of a sudden change of the month of Hajj from the autumn to the summer, and the consequent reposition of the two months constituting the Arab year."

Dr. M. Hamidullah, of the Osmania University, on reading the paper in manuscript, tells me that it is even possible, though not likely, that such a transposition took place during the brief all-round sway of the Fatimide dynasty which was notorious for its anarchy. Like many other notable incidents in history, it is not impossible that the record of this also was lost in oblivion.

3.48. See Islamic Culture, The 'Month' in the Qur'an, Section IV January, 1977.

3.51. See note to 1.5.

3.53. See in note 3.41 above how this had been foreshadowed 3 years earlier.

3.54. See note to 2.13.

Lecture III

3.26 "In 1953 the annual pilgrimage . . . came in mid-summer. Ahmad Kamil in the *Saturday Evening Post* wrote that the heat ranged between 116 and 127 degrees and on one day the mercury climbed to 142 causing the death of 4,411 pilgrims on that day alone. And all this tragic loss of life was due to the non-seasonal moon calendar." (*Journal of Calendar Reform*, New York, Jan. 1954 p. 79)

3.29 See para 11 in M. Hamidullah's article mentioned in note 2.13 above.

3.36. See Note 1.20 above.

3.40 By that time Islam had already spread far and wide. Perhaps there lay a further attraction in having a unique calendar which was not even adjustable to those of the Iranians, the Christians and the Jews all of whom were now regarded as conquered peoples. This pride in distinction and uniqueness, a very human weakness, was displayed in our own times by Mahatma Al Jinnah when he eulogized his 'two nations' theory in the following memorable words :

"We are a nation of hundred million with our own distinctive culture and civilization, art and literature, art and architecture, names and nomenclature, sense of value and proportion, legal laws and moral codes, customs and *calendar*, history and traditions, aptitudes and ambitions, in short, a different outlook on life and of life. Hindus worship the cow, we eat it and our heroes are their enemies."

I remember my attention being particularly drawn to the word 'calendar' when reading the above statement displayed prominently in the Muslim League Camp in Delhi a few months before the partition of the subcontinent.

3.41 The following verbatim extract from my unpublished book, *FACTS and FANCIES*, printed and bound by the Central Government Press of the then Hyderabad State in 1947, prior to the Partition of India, will show how closely I had reached, within three years of having started on the search, to

Eduard Maier, Leipzig, 1906. A printed copy of this work given to me by Professor Bano of the Faculty of Social Science, New York in 1953, has been invaluable to me in my study of the *Hijrah era*.

- 1.36. The word *Haji* also implies a time and place for social mingling and settlement of disputes by arbitration or other peaceful means. See Sura 2 : 187. Well as the title on first verse of the present winter given in the Appendix of Mirza Asadullah *Gharib ul Qur'an* an Urdu dictionary of the Qur'an printed at Hyderabad, India in 1947, pp 432-4.
- 1.49. *Memoire Sur le Calendrier Arab* by M. El-Yamani, an article by Caussin de Perceval in the *Journal Asiatique*, Paris 1841. For English translation see *Islamic Culture* Hyderabad, April 1947, p. 150, footnote.
- 1.51. *Arabi Dini Islam*, compiled by Leone Caetani, Milan 1905. In ten volumes, Vol. I covers the years 610 to 63 A. H. in its 740 pages.
- 1.55. See Note on 1.25 above.

Lecture II

- 2.13. This is an off-print of his article entitled "The *Nasr*, the *Hijrah* Calendar and the Need of Preparing a new Concordance for the *Hijrah* and Gregorian Eras". In this the author makes the following important statement :

The *Hijrah* calendar is the direct successor of the Makkan luni-solar calendar which practised *nasi* (intercalation). Axel Moberg's researches on *Nasi* in German (*van Nasi*, Lund, 1931) date from 1931, and of course new sources have have since become available. *Even in the last three months, the Prophet passed his entire life under the old order* (emphasis added). It is therefore indispensable that relations between the two calendars should be investigated anew when new material comes to light or new avenues are opened for one reason or another."

(Journal of the Pakistan Historical Society, Vol. XVI Pt. I, Jan. 1965, pp 2-3)

NOTES

Lecture I

15. Abdalrah Yusuf Ali's Appendix No. XI (pp. 1077-8 in his English translation of the Qur'an) gives several examples to show the unbelievable chaos in fixing the dates and sequence of events even during the end of the Prophetic mission. It is not the paucity of dates but the abundance of mutually contradicting estimates that leads to this confusion. It is the basic cause of this confusion that these lectures are meant to reveal.
16. Istisqun Nahr Alavi gives the following references to the *Hajj al-Tarar*, also known as *Umran* which used to assemble at Mecca during the month of *Rajab*: "Tabari III, 157 and 174, Baihaqi, *Sunan*, IV, 345." This month of *Rajab* coincided with the Jewish moon-month of *Nisan*, and covering the vernal equinox, was considered the most sacred among the Four Sacred Months known as the *al-ahur ul-hurum*. See Barham, Dec. 11 November 1964, pp 283-4.
17. See M. Hanjowilah's references to these times in his two books: *Introduction to Islam*, 1968, paras 275, b and 349; *Muhammad Rasulullah*, 1974, paras 20, 30 and 53.
18. Obviously the Jewish and the Arab year were originally detached from commencing close to the autumnal equinox, the first month being named *Tishri* by the Jews and *Muharram* by the Arabs. Exodus XII: 1-6 testifies how on their return from exile, the Jews were enjoined to transfer their New Year from this first month *Tishri* to the rising month *Nisan*, that is from the autumnal to the Vernal equinox. With this transfer of the new year from *Tishri* to *Nisan* the intercalary thirteenth month, which had to come at the end of the year also had to be shifted to a place between *Adar*, the last month and *Nisan*, the first month of the next year, this intercalary month corresponding with the Arab *Nasi*, was named *Leadir* or the extra *Adar*. This feature of the Jewish calendar is clarified in the Table on pages 280-1 in *Handbuch der judischen Chronologie* by Dr.

64 All that I request my audiences, and the readers of the printed versions of my lectures, is to do their best and utmost in these next three years, to initiate discussions, to weigh both pros and cons, and to get a verdict on whether my thesis is plausible and acceptable or puerile and unwarranted. This, it seems to me, is a duty of all those who come in contact with this problem, a duty which they owe to Allah, to the Quran and to the Prophet, to the Muslim community and the rest of humanity. Let there be a candid controversy throughout the Muslim world over this issue. Let the learned of the East and the West try to tear it to pieces. And if, even at the end of three years, the men of vision in the *Ummah* cannot accept the validity of my thesis, nothing further can or needs to be done. They will have done their duty, even as I have done mine.

65 If, on the other hand, the efforts of my listeners and my readers lead to an affirmative consensus on my thesis, the answer to the question whether anything needs to be done or not for the future will itself come to the surface in the minds of those who are convinced of the validity of my thesis. No forecast can, or need, be indulged in **before such a situation arises.**

66 The five years between the time-points 'a' and 'b' will then provide ample time for deliberating on what exactly needs to be done and how the change is to be effected at the end of these five years. Time-point 'b' will provide an opportunity which will not recur again for the next 33 years.

67 It, however, this time-point 'b', the Autumnal Equinox of 22nd September 1985, is taken advantage of, the renaissance of Islam, will have commenced only eight years hence.¹

now the treasure of the *Sunnah* can be tapped for the rich fresh products and new insights. But it would be a pity if it were to stop at beyond this point. I am not interested in the reform of the Muslim religious calendar in the future.

H. The Future

60. There, however, is a problem for the *Umma* and the *Uhl al-Yam* (Vol. 482) those deserving of confidence, and the *Uhl al-Yad* (Vol. 483) men of action and foresight, the *Uhl al-Iwarrah* (men of generosity and means), to deliberate upon.

61. Besides, as I have already said at the beginning of this last lecture, radical modification or reform is not a phenomenon to be treated as child's play or pushed through in a hurry. Years of deliberation at the highest intellectual levels of the *Umma* will be needed to arrive at a modus vivendi which will not throw Islam from confusion into chaos.

62. Such a process becomes all the more necessary in times such as ours when things move so fast and a single hour flies like a sword cutting through space over the globe. A number of seconds and what we are not quite sure is to what or more or less will survive the storm of the 21st century. We have to be vigilant and to know where of what new vistas of human existence will face us in the first quarter of our current century.

63. Restricting ourselves, therefore, to the here and now, the peculiar creature that we Muslims have inherited, I can see three points of time which are significant :

(a) The transition point of our present solar-lunar calendar from its 14th to its 15th century. Such points always evoke resolutions for the future and give rise to thinking and emotional fervour. This particular point of time the 1st of *Muharram* 1401 A.H. will coincide with Sunday, 11th November 1980, a little more than three years from now.

(b) The 22nd of September 1985, when the 1st of *Muharram* 1406 A.H. will fall close to the Autumnal Equinox and re-orientation of the Muslim Calendar from the orbit of the moon to the orbit of the sun will be most feasible at that point of time. The duration between points 'a' and 'b' will be only 5 years,

(c) The transition of the Western Era from its 20th to its 21st century. The current year being 1977, another 23 years intervene between now and then.

G. Reconstruction : Possibilities and Limitations

57. It will now be obvious that much of the *Sirah* has to be chronologically reconstructed in the light of the thesis that has been unearthed by the application of inductive analysis to the same records. We now have a scale against which to test and adjust the recorded data. Such an effort will either set the events and their sequence in obvious order, or it will prove the inadequacy, perhaps, the **falsity** of my thesis and of the scale itself. Unfortunately, even the latter outcome will not help much, we shall still need an alternative formula and scale which will meet the needs better and which will clear away the discrepancies that abound. Until such a formula and such a scale are discovered we have only two alternatives before us—either to work with this new formula as a tentative hypothesis, or to continue to be smugly satisfied with the chronological chaos which *Ala* laments with such poignancy.

58. In any case, such a reconstruction of Islamic chronology cannot be expected from any individual or group of pedants, committed to the old deductive system of reasoning in which every new idea has to be corroborated by precedent and tradition rather than by experiment and trial and error, supplemented by logical inference. Only persons acquainted with the scientific method, those who are as willing to ask questions as to learn, can be expected to make headway in the labyrinth of ecclesiastical information where there is much more to reject and discard than to accept or add. It is therefore that this is we open the doors of Islamic research to the many, instead of limiting its responsibility to the few who claim the monopoly of knowledge in the field of Islamic historiography. No person who claims to be a Muslim and has worked for a high research degree, or has published some papers, no matter in what field, can be absolved from the duty of examining the *Sirah* literature with a view to obtaining for himself and not for others, a logically clear perspective of the Prophet's life, his aims and his achievements. It is only the sifting by such a multitude of laymen that will give us a clearer picture of the Prophet, the greatest benefactor of Muslims—if not of mankind.

59. Here my task as a researcher ends. I have outlined my thesis and have explained the basis of the contradictions found in *Sirah* literature; I have, in short, shown that it is an expedient solution of a problem raised by the entanglements of history that has led to the *version 1* and the *version 2 Rama* as over the past nearly fourteen centuries. I have even gone slightly beyond my sphere in suggesting

If the *Naz* existed till then, it must have occurred three times during the preceding 10 years. Where then have these three months disappeared? What other explanation than this thesis clarifies this effacement?

Concerning consistency, one finds the *Harrah* (Pagan) to correspond with the *Minor Har* of the spring month of *Pachon*, and corresponding closely with the Vernal Equinox. Going upstream from this very current month of *Rabirah*, year 1367 of the *Hirah*, one finds that the vernal equinox of 10 A. H. corresponds with the month of *Daul Har*. How else but through this thesis, can one explain this overlapping of the *Major* over the *Minor Har*?

According to all *Surah* and *Hadith* literature, the *Harrah* occurred in the month of *Rabirah* (awal, A. H. 1). There is a strong tradition mentioning the immediately preceding months of *Safir* and *Muharram*—the very first two months of the first year with which the Muslim Era commenced. How have these two months become non-existent? How else, but on the basis of this thesis, can one explain this disappearance?

55. When not one, not two, not three, but all these four contradictions are explained away by a single thesis, and when, further, there is no alternative thesis to clear away even one of these four contradictions, what alternative is there to the acceptance of this thesis?

56. I admit that the acceptance of this thesis is a painful experience to every Muslim. It hurts our cultural ego. As a firm and avowed member of the Muslim community, my mind recoils, yet I cannot but be pained at the exposure of this wide crack in the armour of our age-old traditions. But, if I have been moved by even one of the glories of the Qur'an, it is its sincerity, its objectivity, its presentation of facts without any attempts at distortion or tending down in consideration of human weaknesses. If I am asked to point out the most outstanding features in the character of our Prophet as I see him reflected in the Qur'an, I can point to no other than his straightforwardness, his transparent honesty, his refusal to compromise with regard to truth. Such being the teaching of the Qur'an and such the example set by the man whom we accept as our Prophet, shall we shrink our duty of accepting a logical thesis which we cannot prove to be false? Is it not imperative on us to overcome hesitations prompted by both our individual and our collective egos?

مراد در دیست اند و ای گویم زبان - روز
و کردم در دشم ترسم نه بغز استخوان - روز

with the seasons, one is left with the only conclusion that most probably all the details were either simple fabrications or pious intellectual exercises on the part of the early preachers of Islam who were too innocent to visualize that their versions might be scientifically examined at some later stage of history.

"On the other hand, there are examples of dates that are obviously authentic and correct, these are not many but sufficient in number to suggest that the early Sirah writers had some basic source material at their disposal, otherwise there would have been contradictions in these also.

"This makes the issue all the more complex." (p. 2)

51. Lest this honest fellow-seeker be suspected of having indulged in overstatements, I might mention that his verdict is based on no less than 148 references to Ibn Ishaq, Waqidī, Ibn Hisham, Tabarī, Al-Biruni and last of all William Muir whom we too have quoted.

F. Removal of Doubts

52. But one other duty I must fulfil, even at the risk of repetition, before I conclude: I must anticipate at least some doubts about the credibility of the thesis itself and also answer some questions that the thesis naturally leads to. This I shall now try to do as briefly as I can.

53. Many of you will naturally want to ask: How is it that a vital chronological manipulation, like the one I assume as a hypothesis, finds no mention in all the copious *Hadith* and *Sirah* literature? The answer is that the very purpose of the manipulation seems to have been to obliterate the *Nasi*—not only its stem and branches but its roots as well. How then could this effacement itself be incorporated, or allowed to exist, in historical records?†

54. You will ask: Have you no other than circumstantial evidence to support this disturbing thesis? Humbly, I admit that I have only negative evidence. Let me summarise the logic and sequence of my thinking which has led me to this hypothesis.

(i) If the adjusting *Nasi* had not been in practice till the Farewell Pilgrimage, how could it have been called "a recurrent cause of confusion" in Surah *Barā'ah* 9:37 which, as I have shown, is generally accepted as being associated with the *Hajjat al-Wida'*? Is there then any alternative to accepting that the months were seasonal even during the ten years of the Medinan period?

[illegible]

At the time of the trial, the evidence was that the defendant had been planning and executed the murder of the victim. The defendant was found guilty of the murder of the victim. The defendant was sentenced to the death penalty. The defendant's appeal was denied. The defendant's conviction was affirmed. The defendant's sentence was affirmed. The defendant's conviction was affirmed. The defendant's sentence was affirmed.

[illegible]

40. I am not saying that it does not lead to a false conclusion that the exposure of the McCain decision led to the two different interpretations of the word "person" in the verse. We cannot take it to mean the "month" of the month. We are left to decide for ourselves whether having any evidence on which of these to base our decisions.

spoke. We went further along the road and I arranged to let the soldier
in the car know I had an N. A. A. A. who has had much more
of *Hadim* and *Sirah* literature than I could ever hope to.
The soldier was bruised in this debris he says :
of all important events.

the chronology of all important events, and the apparent contradiction in the accounts, such as that these narratives can't be dated as late as last November, the days tally with the date of the explosion.

thesis. Of course, this thesis like any other thesis is open to refutation, but that could be done only by another thesis which is still more formidable and irrefutable. Until such a thesis appears, this one would serve to reconcile many scholars and students. Naturally, I felt like shouting Eureka!

F. Resulting Dislocations

43. The expectations of the Qalammas were fulfilled. This major manipulation seems to have aroused little notice amidst the great conquests extending to Khurasan in the north-east, to Egypt in the south-west. Naturally, it went entirely **unrecorded**. The succeeding Umayyad regime of the Banu Umayyah buried it deeper still and beyond even the reach of the collective subconscious.

44. When more than a hundred years later, Ibn Ishāq and Wāḥid Ibn Hisham and Ibn Saʿd tried to recapture and reconstruct the sequence of events, they found all the twelve months of the prior reckoning unbridled by the seasons. Abundantly appearing there and there without rhyme or reason. Historical records were all in accord with the formula of the Qalammas which would have produced a sense of bewilderment was it not for the fact that solving this problem was a puzzle.

تیمک تپک کے ہر مقام پہ سو چار ۲ گئے
تیرا بتا نہ پائیں قر ناچار کہا کریں

45. There could not have been other use. All the months of the Muslim calendar had been manipulated, so to say, to make the expedition of the Prophet to Yathrib the correct date and to make the flight to Medina the most heeded restriction. In trying to grapple with the demand for presenting a clear picture, these scholars and historians could not make use of their own intellect.

چہ نہ دیدند حقیقت ۲ افسانہ زدند

46. Perhaps the most conspicuous instance is the manipulation of building up of the Hijrah narrative. Just because the Qalammas of the Qalammas had shifted this effluent event of early Islam from the month of *Rabi' al-Thani* to *Rabi' al-Awwal* to the ordinary month of *Rabi' al-Awwal* during which violence was not the order of the day and the careful planning of the emigration from Mecca to Medina have been regrettably overlooked. Instead, the Prophet has been

literature. I guess no one has thought of asking the question: "How may have been framed as follows :

1. If the *Hijrah* had taken place in Rabi'ul-Thani, is there record whatsoever of any events that occurred in the immediate preceding *Safar* and *Muharram*? Is there nothing worth mentioning in the very first two months of the Muslim era?"

The answers to these questions will corroborate my thesis. No events can be attributed to these two months of *Safar* and *Muharram* simply because these two months had no existence; in reality they were the months of *Dhu'l Qad* and *Dhu'l Han*, the latter being the month in which the *Hijrah* had commenced.

41. Year after my own intermittent attempts to reconcile what seemed to be irreconcilable had made me suspect that some time going at some time in Islam's history had made the moon calendar take a half turn on its axis making vi into xii and xii into vi. I even remember telling Dr. Hamidullah while he was staying at the Oriental University (before 1947), about this possibility. I even remember thinking something of the kind must have been done under the Fatimid regime in Egypt. Later, I had tried to explain to my friend and colleague, Syed Kazim, what seemed to be a transposition of the *Minor Han* into a *Major Han*. But when "Why?" "By whom?" "Under what compulsion?" and "Why?" "What evidence had I?" all these questions I could not answer. Therefore, for long I had failed to make this thesis convincing to others or even to myself. It was this chagrin at seeing the truth hidden behind a thin veil, so to say, and its elusive play of hide and seek that had made me gnash my teeth over and over again during the last three decades!

42. But now all these questions can be answered with arithmetical precision. The basic motive was apparently the enforcement of the *Nas*. The basic motive was apparently the enforcement of the *Nas*, the removal of the contradiction between (a) the denigration of the *Nas* in the Qur'an and (b) the fact that the *Nas* during the very first decade of the new Muslim era. The person responsible for this ingenious manipulation must have been no other than a member of the Qur'anists' clan. The numerous references to various adjustments in the 10th or 11th year of the *Hijrah* are pointed back to the period in the reign of the Second Khalifa Umar, the Commander of Syria, Iraq and Egypt, who had been well known for his capacity to cut such Gordian knots. The tangles of the massive links had made my reasonable conjectures into a form of the

Qalammas clan to provide a solution. It was apparently a Jewish representative of this calendar-manipulating clan that had solved this dual problem in his own cynical and spiteful style.

38. It must be remembered that the elimination of the *Nasi* in the time of the First Khalifah had already deprived this clan of its prestige, perhaps even of its livelihood. Now one of this clan was being asked by his detractors to remove the consequent anomalies in their time-reckoning and for this purpose to use, so to say, the know-how of his discredited occupation! If this Qalammas of Arabia had had a sense of humour equal to that of the Brahmin of India, he might have said:

ببین کرامت پتخانۀ سوا ای شیخ
که چون خراب خود دانه دانا گردد

Anyway, assuming this situation, my personal deciphering of the records, written between the lines, with invisible ink, has suggested that the seemingly attractive formula provided by this virtuoso was somewhat as follows:

39. "The Farewell Pilgrimage, the *Hajj al-wida'*, had occurred with the *Hajj al-Aqbar*, the Minor Pilgrimage of *Rabi'*. In view of the supreme importance which this occasion had acquired after the demise of the Prophet, this 'minor' Hajj could legitimately be given the status of the 'major' Hajj by giving to this month of *Rabi'* the title of *Dhu'l-Hajj*. This will advance the year 5 months by transforming the 7th month into the 12th month of that year. From this 12th month of *Dhu'l-Hajj* go back upstream on the river of time naming the months retrogressively as if there had been no *Nasi*. This procedure will efface the 3 months of *Nasi* by having given them the names of three ordinary months, the remaining two months *Safar* and *Muharram* will recede behind the horizon of the *Hijrah* and be lost in the darkness of the pre-*Hijrah* Meccan period. They will be eclipsed by the last two months of *Dhu'l-Hajj* and *Dhu'l-Qad* of the first *Nasi*-radiated epoch. In time, the addition of these 2 months will be effaced from Muslim memory even as the 3 months of *Nasi* will have been effaced from the first decade of the newly introduced Muslim Era."

40. This is exactly what seems to have been done. The 3 months of *Nasi* that had actually occurred in the Medinan decade of the Prophet's life as months of *Nasi* assumed other names in the *Sirah*

... I had the state of mind and no what *mantra* had their existence effaced from the past?

34. This was the question the answer for which had eluded me for forty years. It had seemed an insuperable question when fourteen centuries had buried the scanty historical records to depths unreachable. It was only the concentration and mental strain experienced in the course of preparing these very lectures that brought the answer to the surface. I was, and will continue to be, amazed at the answer which suddenly appeared before me.

35. Yesterday I presented to you the chart fixing the important events of the Medianan decade according to the months of the Julian, the 'Downstream' and the 'Upstream' calendars. Column 6 of this chart had revealed a peculiar rise of numbers in the difference between the two above-mentioned lunar reckonings: every time a *Vat* month had intervened, the difference had increased by 1. For example, the month of the *Hajrah* was *Muharram*, the 1st month of the year according to the Downstream reckoning, *Pakad* (Jann) the 10th month according to the Upstream reckoning: the difference between 3 and 1 was 2. But, after passing one *Vat* month, the difference rose to 3. After traversing over the next two *Vat* months, the difference rose from 3 to 4 and then from 4 to 5.

36. An order of wonder! This made *Pakad* the 11th month of the year according to the Downstream count, corresponding to the 2nd month of the year in the Upstream reckoning. The month of the *Hajrah* (1st) had received the name of the 2nd month of the *Hajrah* (2nd). There had been a displacement of the months for three centuries. Since the 1st month of the year had formed the *Hajrah* (1st) and the 2nd month of the year had become the 3rd month of the year, the three *Vat* months of the year had thereby obliterated themselves in a decade at the end of which the *Vat* had been eliminated. This legend, I felt, was not possible for any one but a member of the Q'alammas, who had already traced a connection with the one link and the link in the chain of the Arab tribes into a people.

37. What seemed to me impossible was this: The Secret Knowledge with the problem of reckoning the actual existence and the hypothetical non-existence of the *Vat* in the very beginning of the Median era, initiated in the regime and fixed in its repetitive nature the order and sequence in the accumulating chain of months and years, had considered the services of a member of the

asked, "What do you mean by dates?" The man explained that the Khawās of Iran, on their letters and Persian manuscripts, described the date, the month and the year in which they were dated. Umar said, "This is a good system."

(Daily Nayid-e Deccan, 1st Jan. 1977)

31. There is a statement in the early literature about the *Nasi*. But references are many to the fact that it was in about the fourth year of the Second Khalifah's regime that some serious attention was paid to the system in order of the Muslim calendar.

32. But a perusal of many such references like those given above leaves one with a peculiar frustration. They, so to say, beat about the bush, but evade, the crucial questions. For example we have had to infer from the dates given by William Muir how the *Nasi* was overlooked and ceased to be intercalated during the regime of the First Caliph. But nowhere in this book or elsewhere is it specifically mentioned that it was during this regime that the *Nasi* ceased to be intercalated. Coming to the regime of the Second Caliph, we are often shown that some chronological problems were taken notice of, their solutions had become imperative, they were attempted to during his regime. But, when you try to see what these problems really were and their solutions had been adopted, there are just no satisfactory answers. All that we are told, even after a perusal is that the beginning of the *Hijrah* was fixed as the beginning of the Muslim Era. But this is not the least complicated of the problems, the old Arab year, the *Samawiyah*, the *Samawiyah* had begun with the new moon of *Muharram*. To add to this, the *Hijrah* from Meccah as we have already seen, had to be placed, almost as if it had been the beginning of the *Pravara* year of the *Samawiyah* both a new year and a new era commencing with the new moon of that month. It must, therefore, be concluded that fixation of the Muslim calendar, as an achievement of the Second Khalifah involved other adjustments beside the putting of time from the start of the Muslim Era was to commence.

D. The Emerging Thesis

33. The question of questions that confronts us is: "What happened to the three months of *Nasi* that had actually intervened during the first ten years of the new *Hijrah* era?" By what canonical device did they become non-existent? The cessation of intercalation during the regime of the First Khalifah had eliminated the *Nasi* from the

C. The Second Khalifah

28. We have referred to Ibn al-Munir's *The Complete History* where he has the following devoted single chapter, covering 112 pages, to the reign of Umar, the Second Khalifah. Whether the dates or the sequence of events during these 10 years and 3 months (August 634 to November 644) were any more reliable than those of Abu Bakr's reign is not mentioned. The only reference of chronological reliability is the following brief passage and its footnote:

Umar bin al-Khattab is popularly ascribed the regulation of the Arabian year. He introduced for this purpose the Mohammadan Era commencing with the new moon of the first month (Muharram) of the year in which the Prophet fled from Mecca. Hence the Mohammadan era was named the *Hira*, sometimes written *Higira*, or "Era of the Flight" 1 (ibid p. 181)

29. M. Hamidullah, in an article contributed in 1965 to a Pakistani journal, provides the following corroboration:

The calendar reform dates from the lifetime of the Prophet, with the adoption of the *Hirah*, as the point of the beginning of the Mohammadan era, dates from the *Complete History of Umar* some six years after the death of the Prophet. According to the *Complete History of Umar*, Sa'ad bin Abd al-Jazid bin Asad was the first to suggest that *Abu Musa al-Ash'ari*, who first felt the need of fixing the year along with the date and the month in State documents, in certain Yemenite expeditions the practice in his country. As a result of the adoption of the *Hirah* as the starting point, it was Umar bin al-Khattab whose suggestion prevailed that Muharram should continue to be the first month, and not *Rabi' al-awwal* in which the Prophet had reached Medina."

30. A more recent article in Urdu by one Mawlana Sa'id al-A'zami of Hyderabad repeats the same information still more elaborately:

- (a) "Abu Musa, in a letter to the Second Khalifah, asked why it was that no date was mentioned in the communications received from him."
- (b) "Maimun bin Mehtan reports that a payment order was received by the Amir al-Mu'minin on which the date mentioned only the month Sha'ban. He asked, 'Which Sha'ban?' the current Sha'ban? the preceding Sha'ban? or the coming Sha'ban?"
- (c) "Muhammad bin Miran reports that a man asked the Khalifah Umar to specify dates on his instructions. Umar

24 In any case it is said to have become obvious to the Caliph that he had to be prepared in advance for the recurrence of such situations. **So, Abu Bakr organised,**

eleven expeditions of cohorts, and over each appointed a distinguished leader. Arabia was parcelled out and each detachment given a quarter to reconquer with them any regions were to be needed what course to take. By the great scheme in course of time, no spot would be left uncaptured."
 "(ibid p. 16)

25 Changed circumstances had apparently effected a metamorphosis of Islam. In contrast to the peaceful occupation of the Arab Citadel of Mecca only four years earlier, the Muslim armies were, henceforth, to spread far and wide expanding the glory of a conquering creed to the ends of the earth.

26 But time moves on oblivious of human struggle with an ever-changing situation. Another twelve moon-months passed by and another Hajj is said to have assembled in February (15th ?) 634. Coming only 11 days earlier in the season each year, the moon-month was still (the old) *Rabi' al-Thani*. The emergent situation had apparently relaxed somewhat. So the Caliph attempted this Hajj in a season which had become appreciably easier than it had been at the Farewell Pilgrimage of 8th March 632. As regards to the elimination of the adjusting *Nasi*, it would thus continue to change its climatic seasonal nature around the seasons, one year it would expose the bare-headed pilgrims to the intense heat of the desert sun, during another year their bodies, covered with nothing more than two pieces of unsown cloths, would shiver in the bitter winds of the desert nights. During still another year a large proportion of the animals, led to Mecca for the great sacrifice, would consist of mothers bearing their unborn young.

27 Abu Bakr passed away on the 23rd of August 634. But it was in the brief interlude of just a little more than two years that an anomalous cultural pattern had infiltrated into the socio-economic life of Islam. It appears that the Prophet of Islam had hoped and planned to advance the calendar of his people from the inefficient but adjusted lunar to the pragmatic and progressive solar reckoning. His sudden demise, the chaos that followed and, apparently, the earnest zeal of his followers to carry out what they thought to be his wishes to the last letter, had retrogressed it from a "lunar" not to a solar but to a 'pseudo-lunar' reckoning.

[illegible][illegible]

19. What we have noted above are only some of the indications of the significance of the occurrence of the first moon-Prophecy of H. having become due in the month of February 1935. Let us see what Mr. W. has to say on this subject. As we deal with remarks of any mention of the change over from the lunar to the unadorned moon-calendar, has to report before the end of these developments during the regime of the first successor of the Prophet.

even in Line 632 corresponding to *Sahawah* (1000) : 10. *wa-tamun* 'came near'. Normally, therefore, the first of the three years after the Prophet's *Qad* (1000) had been observed within a month of the Prophet's departure. Preparation for embarking on the Hajj that would follow should have commenced in Medina within a month of the Hajj that would assemble at Mecca in the subsequent month of *Thul-Hijjah* (2nd August 632). But the above reference to a six months later date (January 633) as the date of the very first post-Prophet Hajj is a clear indication of the fact that owing **either** to the earlier announcement by Abu Bakr at the August 631 Hajj (*Surah Bura'h* 9: 1-10) **or** to the confusion that followed the demise of the Prophet in June 632 **or** to the combination of both these factors,

(a) either (i) No Hajj had assembled in Mecca in August 632

or (ii) No notice was taken that Hajj had been taken in Medina

14. On the other hand, if this major Hajj **had** assembled in August 632 that would have been the third year after the preceding occurrence of the *Nasr* and the question of whether or not another *Nasr* was to be intercalated immediately after that *Qad* (1000) would have had to be faced squarely. The fact that that Hajj for one reason or another, had failed to assemble obviously constituted any chance of the Quraysh to announce the intercalation. Consequently, THE MOON-MONTH THAT FOLLOWED THE DEPARTURE WAS NOT THE NEXT LUNAR MONTH OF NASR BUT MUHARRAM, THE FIRST MONTH OF THE NEXT YEAR !

15. This omission of the *Nasr* even in the third year after its preceding occurrence, brought in the NEW YEAR moon of Muharram on 23rd August, that is, more than a month prior to the Autumn Equinox. This had not happened in Arab memory, or at least not in the memory of the then living generation. Even the Bedouin, scattered in the rocky hills and sandy plains, could not have failed to notice this earlier than usual commencement of the New Year. The culling of their sheep and camels breeding would have to be expedited, if the *ushr*, or the tithed animals were to be handed in as one-tenth of the year's produce.

16. But the classes of people for whom this acceleration or advance of the New Year Moon was more disconcerting were the people of the oases who grew wheat and barley and paid their *ushr* after having harvested their crop. **How could they pay these tithes in kind before their crops were harvested ?**

the Qur'an itself, "the second of the two" (Sura *Bura'ah* 4:40) in the historic Mecca-Medina journey, ten years earlier. With a week of the Prophet's journey to the desert of Arabia at his disposal with but one aim "to carry out to the last letter what he believed to be the wishes of Allah and His Messenger." Let us now see how the *Nabi*, emigrated so recently, was caught with Islam's brief reign of two and a half years.

11. In the slightly condensed version of William Muir's *The Caliphate*, Muir devotes the eleven opening chapters, another covering 80 pages, to Abu Bakr's brief regime as *Khalifah*. In this narrative of events he gives more than 25 seasonal dates of the Julian calendar as milestones to earmark the chronological sequence of events. But the contents of all these eleven chapters are governed by the following passage which he ends almost apologetically:

"... tradition upto the Prophet's death clear and copious, now suddenly becomes curt, obscure and disconnected. The scene of confusion that prevailed throughout the last presents itself to us in fragments dim and hazy and feeble. We find him struggling thus for years to escape from the constant harassment only of the lance and the sword and what the struggle would have eventually resulted had the scene of escape from a terrible danger. No dates are given for the many battles fought throughout the year (that) followed the demise of the Prophet. We can only guess at the sequence of events.

(p. 83; emphasis added)

12. This last admission makes most of the above-mentioned 25 or more seasonal dates into merely reasonable conjectures which cannot be accepted as altogether reliable. Four of them, however, divide the 27 months of this regime into three distinct periods, they cannot be far wrong and do throw much light on the events of this fateful interlude:

- | | | |
|--------------------|------------------------|--|
| 1. 10th June 632 | Abu Bakr takes charge | { Period A 9 months
{ Period B 12 "
{ Period C 6 "
 |
| 2. (26th) Feb. 633 | Notable to attend Hajj | |
| 3. (15?) Feb. 634 | Attends Hajj | |
| 4. 23rd Aug. 634 | Abu Bakr passes away. | |

13. The second of the above four dates, earmarking the first post-Prophet Hajj of February 633 is the most significant of all, particularly for our chronological analysis, and provides the following important conclusions. The Prophet, as we have seen, passed

...and the Prophet, who had been dead for centuries, had been resurrected and was now sitting on the throne of the Prophet. The Prophet, who had been dead for centuries, had been resurrected and was now sitting on the throne of the Prophet.

...and the Prophet, who had been dead for centuries, had been resurrected and was now sitting on the throne of the Prophet. The Prophet, who had been dead for centuries, had been resurrected and was now sitting on the throne of the Prophet.

...and the Prophet, who had been dead for centuries, had been resurrected and was now sitting on the throne of the Prophet. The Prophet, who had been dead for centuries, had been resurrected and was now sitting on the throne of the Prophet.

...and the Prophet, who had been dead for centuries, had been resurrected and was now sitting on the throne of the Prophet. The Prophet, who had been dead for centuries, had been resurrected and was now sitting on the throne of the Prophet.

...and the Prophet, who had been dead for centuries, had been resurrected and was now sitting on the throne of the Prophet. The Prophet, who had been dead for centuries, had been resurrected and was now sitting on the throne of the Prophet.

B. The First Khalifah

The first of the Khalifahs was one of the earliest to believe in the Quran. He was, as mentioned in

LECTURE III

After The Prophet

A. Recapitulation

1. We ended yesterday's lecture at the demise of the Prophet when it must have seemed that the sun had set for ever. The present Muslim community found itself in sudden darkness and beset with many difficult problems.

خداوند متعال : خدای قهار ، بدو توفیق عطا فرماید که همه تقوی کنند ، تا خداوند بخشنده باشد .

Let us, at this crucial stage of our mortal journey, pause for a moment to understand in a better perspective the nature of the Muslim in the basically changed situation.

2. One dried up stream bed is a witness with grief to the passing of our Prophet. Meccah had been the one focus of Quraish, the tribe that possessed its power and prestige by keeping the Kaaba, the holiest shrine in Arabia. It is a place that from time immemorial, in the distant past when the wandering nomads of Arabia needed to be entertained, it used to bring the neighbouring tribes, with the caravan of the caravans. The rest of the Arabian Peninsula, too, had been attracted to Meccah. Arabia was, in undisturbed, the centre of a vast caravan trade, and this it could not be abandoned without alternative cultural and provisions.

3. If, however, the Arab was, dejected, only one more link in the chain of the successive annihilation of his past, his culture, his faith, and his community, his future. It had required the extraordinary power of a Julius Caesar, backed by the armies of the Roman Empire, to replace the inefficient but age-old lunar calendar which served the purpose of time reckoning, regulated by the moon.

4. The Prophet had promised that, upon his death, the community would be ruled by the two most eminent men of the tribe, the two most

No.	Date	Day	Month	Year	Event	Place	Remarks
10	1 May 628	10	May	628	Rajab 11	4th	
11	13 May 628	11	May	628	Dhu'l Q'ad 6	11th	Huda branch
12	2 May 629	12	May	629	Dhu'l Q'ad 7	11th	'Umratu'l Qada
13	7 May 630	13	May	630	Jam. I	7 5th	
14	2 May 630	14	May	630	Şafar 9	2nd	Submission of Mecca
15	5 Aug. 631	15	Aug.	631	Jam. I	10 5th	Hajj Abu Bakr
16	31 Dec. 631	16	Dec.	631	Shawwal 10	10th	Death of Ibrahim
17	18 Feb. 632	17	Feb.	632	Dhu'l Hajj 10	12th	Hajjatu'l Wida'
18	1 May 632	18	May	632	Rab. I 11	3rd	Wafat : June 8, 632
19	1 May 632	19	May	632	Jam. I 11	5th	Abandoned

PLACEMENT OF EVENTS IN THE MEDINAN DIARY ACCORDING TO THREE DIFFERENT CALENDARS

Serial No.	Juban Date of New Moon	Downstream Calendar	Upstream Calendar	Events	Date in Men.
1		3	4	5	6
1	6 Feb. 622	AH Dhu'l Qa'd 2 1st	AH Muharram 1 1st	Upstream Muharram	2
2	15 Aug. 622	AH Dhu'l Hajj — 1 12th	Şafar 1 2nd	2nd Pledge/Exodus	2
3	13 Sep.	AH Muharram 1 1st	Rab. I 1 3rd	Entry into Medina	2
4	1 Aug. 623	AH Dhu'l Hajj 1 12th	Şafar 2 2nd	Ali-Fatimah m.	2
5	18 Feb. 624	Jam. II 2 6th	Sha'ban 2 8th	Change of Qiblah	2
6	1 Apr. 624	Ramaḍān 2 9th	Dhu'l Qa'd 2 11th	Badr	2
7	22 Aug.	AH/	Rab. I		
8	1 June 625	AH/	Muharram 4 1st	Uḥud	3

the *Ziādāt*. Must they be taken to mean that the beginning of the month and the beginning of the year were considered as the start of the terrestrial year and as the beginning of the calendar of the celestial year of particularities and particular beings?

42. This is at least one question which posterity is asked to ask and to ponder. But all that can be said at this stage of our proceedings is that this Farewell Pilgrimage left so deep an impression on the minds of the Muslims of those days, and the condemnation of the *Nahr* as a recurrent source of confusion, constituted such a painful regret to those who had experienced the recurrent dislocation it was wont to cause, that its elimination became a religious mission, at least to those who found themselves entrusted with power and responsibility after the demise of the Prophet.

43. Did they realize that the elimination of the *Nahr* by itself and without the adoption of the alternative means of recording the terrestrial year correctly, was bound to lead them from confusion into chaos?

44. Of course, they did not. But how many of us placed in the same position when they found themselves would have thought of a solution, and that their zen made incumbent on them would be the removal of the *Nahr*, condemned by the word of God, and substituted by a calendar that is a duty owed to their deceased Master? The elimination of *Nahr* loyalty apparently a religious duty, at least to those who were obedient to him. How this elimination and the replacement was achieved, we shall try to find out in the next lecture.

45. What will we try to emphasize at the end of this lecture is that three months of this Farewell Pilgrimage, the Prophet remained in Mecca before 13 days had passed. The *Nahr* of *Umm al-Din* was completed on the 8th of June 632 of the Islamic Calendar.

It must have seemed to the survivors of the Farewell Pilgrimage that they were reminded of the verse in *Sūrah Mu'min*, (40 : 34) where, referring to the passing away of *Yūṣuf*, the Qur'an says :

فَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْكُثُوا فِي بَيْتِكُمْ هَٰذَا أَلَا تَرْجِعُونَ
فَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْكُثُوا فِي بَيْتِكُمْ هَٰذَا أَلَا تَرْجِعُونَ

38. Ladies and gentlemen, I wish I had the time (and the occasion permitted me, to recount more of what was said. Even then I could not possibly have conveyed to you the emotion to which that text must have arisen to unimaginable heights. There are many aspects of all the lessons from the Qur'an and from his own life and experience of the past twenty years, to which he drew the attention of the gathering, but it was the emotional tone of this assemblage which left an unforgettable impression on the Muslim memory.

39. Some affirm that (except for the intervening parenthetical passage) the *Nasi* verses (Sura *Barā'ah* 9 : 36-7) were revealed in the course of this oration. Others are inclined to believe that several other utterances having the weight of revelations, and incorporated in the Qur'an as independent passages which do not connect with the preceding and subsequent text, are also passages revealed on this occasion. For example, one such passage is:

'O thou, (My Messenger!) Proclaim (anon) the message which has (now) been sent to thee from the Lord. IF THOU DOST NOT, THOU WOULDST NOT HAVE THEN FULFILLED THY DUTY.' (Emphasis added) Allah will protect thee from the wrath of men. Verily He guideth not a people who obstruct.'

(*Sûra Mā'ida* 5 : 63)

Another passage which is, perhaps, a corollary to the above:

"This day have I perfected for you your faith, brimmed you with my blessings, your creed Islam I have decreed."

(*Sûra Mā'ida*, 5 : 3)

40. In *Hadith* literature, a saying of the Prophet, attributed to this occasion reads as follows :

"Verily, this day Time has made a full cycle and returned to the point at which Allah created the heavens and the earth."

41. Of course, every Muslim is inclined to, and has the right to, interpret sentences in the light of his own background of knowledge and experience. One might, however, be permitted to suggest that, in view of the importance of the *Nasi* verse to the past and the future of Islam, both the Qur'an and the *Hadith* literature need to be examined again for instances where the text can possibly mean something other than what has hitherto been understood to mean. For example, CAN the emphasis on the TWELVE MONTHS prevalent ever since He created the HEAVENS AND THE EARTH be taken to refer to the 'twelve sections of the year' corresponding to the Twelve

This proclamation guaranteed protection to all pagans assembled at that Hajj. It allowed even the pagans to roam about at will and to perform their pagan ceremonies during the current three Sacred Months, provided only that they did not indulge in profanity or create disturbance. On the other hand, this same announcement involved a warning. His Messenger had proclaimed similar protection during the Arab Conquests that would follow in the years to come. This had opened the doors to all those who would persist in the old and utterly heinous and obscene ritual. This, it was hoped, would enable the expanding and assimilating pagans to be gradually brought to the fold of the Muslim faith, submissive & righteous among mankind.

This Hajj of 15th August, 631 was followed less than five months later by a tragic event which could not but have affected the human community. The dear Prophet, His infant son, Ibrahim, had been born to his Christian wife, Maryam, only 18 months earlier. Sadly, this child passed away on Monday, 27th January, 632. Astronomical records would confirm the fact that this day had witnessed a conspicuous eclipse of the sun in that region. But from that striking occurrence he refused to draw any supernatural conclusions. This was the end of *Jumad al awwal*'s downstream. Only the moon month of *Jumad al akhir* intervened between that date and the New Moon of *Rabi*, the month in which was to be performed the Hajj looked for by all of Islam. He continued to prepare himself for his righteous Hajj, his followers for this minor Hajj that was to be his last. Perhaps he hoped that it would here too become the one great gathering or assemblage heralding the New Year.

1. The Farewell Pilgrimage

56 The Prophet was right. This Hajj marked the zenith of the Islamic teaching. It left its indelible stamp on the history of this great Message.

57 It is estimated that more than a hundred thousand pilgrims gathered from among the tribes and regions of Mecca and Medina, places which were 200 miles apart. After completing the rites of the Pilgrimage, the Prophet addressed the multitude from the Hill of *Arafat*.

"O ye people! Harken to my words, for I know not whether, after this year I shall ever be amongst you again..."

Caesar. In comparison with the solar reckonings of pre-Islamic Iran and Byzantium even this adjusted lunar reckoning had become well-nigh obsolete. The uncertainty in the appearance of the New Moon over and over again led to disputes about the commencement of the Ten Nights of *Dhu'l-Hijja* (Sura *Fajr* 89: 1-10). The commencement of the fasts of *Ramaḍān* was another recurrent cause of uncertainty. Worse still, the choice left to the Quraysh as to whether to intercalate the *Arḍ* either between the Sacred Months of *Dhu'l-Hijja* and *Muḥarram*, or after the end of the Four Sacred Months, tended to cast doubts every two or three years when the *Arḍ* had to be intercalated. Would not the abandonment of the moon altogether, and the adoption of the solar reckoning eliminate once for all these multiple problems in the annual cycle of life? Would this not lighten the shoulders of the expanding community of the righteous? Was not this community of the righteous destined to incorporate all mankind?

32. It was these contemplations that apparently revolved in the mind of the Prophet, and the happenings of the remaining two years only confirm the vital decision he arrived at and the action he both planned and initiated.

33. The *Hajj al-Akbar* that assembled in August 610 came only two months after Mecca accepted Islam. Naturally, it brought together both Muslims and pagan pilgrims, naturally, there was much confusion and at least some friction in the performance of the ritual by the pagans and the Muslims. That *Hajj* was later designated as the *Hajj al-muḥarrar* or the mixed *Hajj*. The major incidents, memories of the occasion too must have led to much thinking of some alternative proposals, during the next twelve months.

H. *Hajj* Abu Bakr

34. So, when the next *Hajj al-Akbar* came round in August, 611, the Prophet, with his companion, Abu Bakr, headed the caravan from Medina to make an important announcement in the large and still mixed gathering which was to assemble in Mecca. Soon afterwards the younger and intrepid *Ansār* was despatched to buttress his elder colleague. The announcement made on this occasion is clearly recorded in the opening verses of Sura *Bara'ah* (iv. 1-9), which is generally accepted as chronologically the last Sura of the Qur'an.

G. New Vistas, New Horizons

He had seen the vastness and variety of the world beyond the Arabian Peninsula, and he had seen the vastness of the Muslim community. With this knowledge, he realized that the old system of tribal life and the old system of finances of the community had become obsolete. He had to create a new system. The old system of contributions, the old system of no individual inclination and no personal pursuits, had to be replaced by a new system. The levies on the trade in different markets, the produce of land and the stock, the offerings collected from the *Bayt al-Lah* and these income, so far collected by the heads of different tribes and different functionaries, had to be centralized and administered by a central authority. There had to be a central treasury, a *Bayt al-Mal*, under the control of a trusted authority. Different rates had to be fixed for different types of levies. The *Ushr* or the *Ushr al-Bihar* was the fixed rate of levy on the produce of land and *Ushr al-Bihar*, presumably, the one-fortieth ($\frac{1}{40}$) of the value of the produce. Different articles of trade, the *Khums* or the one-fifth ($\frac{1}{5}$) of the acquired or fortuitous acquisition, all these had to become a system. Some accounts suggest that levies on trade differed according to whether the merchant was a citizen, a resident-alien or a foreigner, and they paid $\frac{1}{40}$, $\frac{1}{50}$ or $\frac{1}{100}$ respectively." Very soon, the enforcements of these regulations, under the supervision of the Rightful Bilal, began to attract not only camels, but also sheep and game, date-fruit and other products of the seasonal harvests. The functionaries and the functionaries of the *Bayt al-Mal* expanded and had to be organized with such efficiency as had never been needed before.

1. The prime need of enforcing order and law, even in the life of the expanding Muslim community, needed more than ever before, the need of further tightening up of the tribal life and the need of further synchronization of the economic order with the seasons of the terrestrial year. He had realized that Mecca and its two embayages of August and March (*Dhu'l-Hajj* and *Rajab*) were the two seasons of Arabian agriculture. He had to build the arch of Islam on these two, or perhaps it began on only one of these seasons, so that the life of the Islamic world was of the same order as the life of the world around it. The lunar reckoning of the year had continued to be even in Mecca and Medina for more than 100 years even after the adoption of the solar reckoning by the Romans.

the large crowds. Obviously, the March assemblage at the time of the *Ha' al-Hajj* was a safer and better choice.

20. So, virtually unarmed and as peaceful pilgrims, he went to approach Mecca. Presumably, on the appearance of the new moon of the Sacred Month of *Rabi'*, the band of Muslims, led by the Prophet himself, gathered from Medina. Most of those who had participated in the Expedition to Mecca were with him. Presumably, those of Medina who had then been expelled from Mecca, their guest were also there.

21. The parleys that had taken place on the outskirts of Mecca, this is not the occasion to relate or to analyse. For our present purpose, all that needs to be mentioned is that a compromise was reached. The Qur'ah of Mecca, declined to suffer what seemed to be a late-crashing at such short notice, but they could not bluntly refuse; they promised to let the Medinan pilgrims perform the *Minor Hajj* next year if they went back peacefully this time. Being a relatively less important occasion, they would, in March next year, themselves resort to the bosoms of Mecca so that there may be neither close contact nor occasion for friction. Left to themselves, the Mednans too would find the opportunity to perform the rites of the *Minor Hajj* in their own way.

22. Naturally, there was some disappointment among those who had expected confrontation. Expected to rise from their graves in a few hours and relatives. But the calm and the insight of the Prophet offered the apparent rebuff and converted it into what was in reality a victory for the Muslims. The Qur'an itself proclaimed :

Inna fatahna laka fathan mubīnā

[We have made thee victor in a clear victory.]

[Sura Fat-hah, 10]

23. The status of Islam and that of the Muslim rose accordingly. From being a persecuted and reconstructed protestant religion, it became a full-fledged religion, deserving to be called the religion of the world and a peace community, co-existent with the Qur'ah of Mecca and entitled to a mutual respect of treaty. From now on religious confrontation would be replaced by religious adjustment. The basic and unchangeable principle of the Oneness of the Creator and, consequently, the Oneness of Mankind, was to be left undisputed. Instead

it that is more expressive *on the recorded history of the Meccan decade* – (a) the old Arabic calendar carried ‘downstream’ from the past into the future, (b) the unadjusted lunar reckoning retrospectively imposed ‘upstream’ *after the demise of the Prophet*.

16. When and why and how I think this happened will become clear in tomorrow’s lecture. Today, I shall content myself by giving the ascertained lunar dates of a few outstanding events along with the two lunar dates according to what ‘Ayyaf calls the ‘Meccan’ and ‘Medinan’ calendars and what I call, respectively, the ‘downstream’ and the ‘upstream’ reckonings.

Interlude

The printed leaflet distributed in today’s session contains an appendix of dates on the subject of placement of the lunar months and events of the Meccan decade which we are in the process of examining in this lecture. Please consult it and let me know what you have to say.

Column 1 shows 19 events which according to column 2, cover the Meccan decade. Commencing from 12th Jan. 622, that is from the supposed date on which the Meccan era begins, the decade goes on till 12th Jan. 641 when the illustrious Ayyaf ceased to be interested.

Column 3 gives the chronological order of these 19 events according to what Ayyaf calls the ‘Meccan’ and I the ‘Downstream’ calendar. Column 4 shows the dates according to what ‘Ayyaf calls the ‘Medinan’ and I the ‘Upstream’ reckoning.

In both columns 3 and 4 you will find two thin columns of figures. The first denotes the serial number of the A.H. years to which respectively, the second represents the sequence number of the month in the respective year.

Column 5 contains the count itself and column 6 shows the difference between the sequence number of the months shown in columns 3 and 4.

At this stage I do not want to go into the technical part of it and to notice that the dates range from 2 to 7, 3 to 4 and 4 to 5. The much interesting part will see, years after every month of Ayyaf’s calendar.

"Remember this. He imbued you with tranquility and confidence in Him. He sent you from the desert, so that it refreshes you, and heaves you from the desert, and desert thirst is quenched, and you have your strength and your resolves..."

This Qur'anic evidence is further supported by the fact that the climate of the area recorded in our earliest Arab sources is different from Bahr's. He states that even the latter rain that the region receives comes in the form of a few showers in the spring season of May to April-May and again in November-December. The latter year is referred to in this case because during winter the Meccan trade caravan used to go further south, the caravan in which the Muslims fled to at Bahr was thus obviously that year. It was returning with merchandise from the north for disposal in the *Hajj al-Akbar* that coincided with the August-September season of the solar year. Apparently, the latter of rain mentioned in the Qur'an was of the late spring season of May 624.

'The And yet, William Mann, Gucham and other European writers even S. M. Narmada in his *Sarat-um-Nadi* and place this event a few months later in December 624. Let us, therefore, try and clear up this more the relations existing between the Jains and the calendars.

D. Studies of Julian versus Local Calendars

[illegible]

At least one of the points is the working of the
"gun" On the M. H. of H.
... .. the in France ... the
United States I have been in contact
with him ever since I too started on this quest ... back in 1944
I from all records which he
... .. on H. ... during 1946
More recently and in a

B. Believers and Hypocrites

3. In Medina the small group seeking freedom from persecution and opportunities of righteous endeavour found itself torn from its native habitat and exposed to a strange environment. The bonds of brotherhood which the Prophet soon established between the residents and the immigrants did much to make the newcomers feel at home. Nonetheless, identification with a new environment takes time and there are always individuals and families who resist any intrusion of outside elements into their barricades, no matter how harmless and friendly these strangers might be.

4. One of such local elements in Medina was the Jewish community that was prominent in the region. The Prophet was most anxious to bring about mutual accommodation and even assimilation between (a) the *nabharin* or 'refugees' who had been virtually driven away from their homes just because they had begun to search for Divine guidance; (b) the *Ansar*, the helpers who had given the refugees food and sustenance; and (c) those who not only aided themselves the *Yahud* but also claimed to be, literally, "the Divinely Guided". At first, these "already guided" too had welcomed the Muslims in the hope that their leader, Muhammad, might be the "Prophet," promised in their own traditions. But very soon they were disillusioned. No matter how much the new Prophet was proclaimed to be the "Confirmers" and "Renewers" of Judaism and Christianity, they would not accept him unless he confirmed the Judaism and Christianity not of the erstwhile pristine brand, but the Judaism and Christianity *current in Medina in their own times*.

5. Because the Prophet had gradually risen in tribal stature through his increasing number of followers there were among the people, the Jews and the Christians several individuals who found their own leaders¹ in their respective communities threatened by his teaching. Very soon these petty vested interests came to be known as the *munāfiq*, the toes in the garb of friends. In guise, some of them even accepted Islam, but inwardly they strove to cast out Islam from their midst :

When face to face with the believers,
they say, 'Believe we !'

But when in conclave
with their instigators
they say, 'We are with you;
them, we were only fooling ..

(Paganan 2 : 14)

LECTURE II

From Hijrah to Wafāt

A. Recapitulation

1. Yesterday we prefaced our recitation of Islamic chronology by defining the scope of historiography in relation to history. We then took a bird's-eye view of pre-Islamic pagan culture and noted four of its cultural patterns synchronizing their year with that of the Islamic *Ḥaḍra*—to the two assemblages of autumn and spring, known as the *Ḥaḍra' Aḥmar* and *Ḥaḍra' Aḡhar*, corresponding with the *Farḥānā* and the *Ḥo'ā* respectively. Also, the seasonal trade caravans to the north in summer and to the south in winter, and the four Sacred Months in which violence was taboo, and the adjusting *Adā* which made the moon-months correspond approximately with the seasons, and served as a kind of timekeeper of the four patterns in place. We emphasized that all these patterns had contributed to a fairly harmonious platform of life which continued to do so throughout the life-time of the Prophet. Then we referred to the *Adā* taken in this chart and explained that this *Adā* sometimes a blessing, sometimes became a curse.

2. Next we showed how the *Ḥaḍra*s of several different tribal domains had led to cleavages, and the pre-eminence of Arab tribal society. How the *Ḥaḍra* of the Prophet, when he had reached the mature age of forty, had nearly overcome almost all obstacles and preparation for thirteen long years, in respect of Meccan society. He had carefully arranged for the evacuation of his band of followers to Medina where some groups responded to his message of righteous reform. The seasonal adjustment of these two cultural elements of the *Ḥaḍra*, the *Ḥaḍra* and the *Ḥaḍra*, gives an idea of the nature of existing of Islamic chronology that is cultural. After this brief recapitulation, let us continue the narrative analysis of the developments in Medina and the entanglements between what we shall call the Downstream and Upstream elements.

Tishri *Muharram* corresponding to the 20th of September, 622 I.C. Finding the Jews of Yathrib preparing for the fast of *ʿĪd al-ʿĀṣā*, the tenth day of that moon-month, he suggested to all his followers that they too should observe that fast as a gesture of goodwill towards their neighbour. And so it was an exodus more carefully planned and more successfully executed than the exodus of the Israelites from the land of the Pharaohs.

65. Several of you familiar with *Sīrah* literature contradicted the above chronological details contrary to the traditional accounts. You were inclined to correct me by reminding me that it was not in *Muharram* but in *Rabiʿ al-ʿĀwwal* that the *Hijrah* had taken place. But at this stage of my presentation all I ask you is to please keep this contradiction in mind. Partly tomorrow and fully in the last of these three lectures you will learn how the overlapping of *Muharram* and *Rabiʿ al-ʿĀwwal* can be explained. It is this 'reconciliation' or 'reconciliation' that constitutes the basis of my thesis.

66. Thank you for your attention. It makes me look forward to our next two meetings.

probably during the latter half of the year 610, and it is completely over the first Meccan period covered the time of the night of enlightenment.

56. It is on the basis of such diverse evidence and reasoning features that the Chronology of Islam has been reconstituted. What problem we meet in this reconstituting will be mentioned and solved as we proceed.

E. The Meccan Period

57. The next twelve years (approximate May 610 to Sept. 622) constitute a period of intense spiritual, intellectual, personal and frustrations on the one hand, and on the other hand the remarkable persistence of the Prophet in facing the various tribulations during the entire period. He was close to the Holy City of the vision of Mecca. In all this time he never could have been out of the vision of the Qur'ān and the contemplation.

NO OTHER GOD IS THERE TO FEAR THE LORD, NO STONE OR TREE, NO ANIMAL OR MAN, NOTHING IS SELF-GENERATING, NOTHING AND BEING, EXCEPT FORSHIP IS DUE ONLY TO THE CREATOR AND SUSTAINER OF THE COSMOS AND ALL THAT LIES IN IT.

58. The Prophet, *ṣallā ʿalayhi wa-ʿalā ʾālihi wa-ṣallam*, who has been called the "Last Prophet" has been called the "Prophet of the Qur'ān" to point out that it is the Qur'ān which is the source of the passages which the Qur'ān brought to him.

59. The Meccan period attracted interests the leaders of the Qur'ān could not receive that instead of running them economically as they thought it would, the acceptance of the twofold truth would bring forth from all the good which he can bestow on any person at any period of time. They ridiculed him, called him "pariah" (Qur'ān, 44: 24-26) reviled him, heckled him, their women threw dirt and rubbish over him in the streets. All that they were made to do was to do so, at least during the four Sacred Months, the *Al-Haram al-Haram*, to inflict personal injury. It was only during these months that he was able to come out of his seclusion, year after year, and even during the three years of boycott and confinement in the *Shir'b Abi Talib*.

F. The Seasonal Placement of the Hijrah

60. It was during one of the *Ḥajj* periods (Aug-Sept. 611 E.C.) that a few pilgrims from Yathrib were attracted to his teaching and

man of forty had chosen a cave on a hillside for meditation *during a night of desert winter !!!*

81. Wonder of wonders, despite this glaring incongruity, and for more than a hundred years, from Perceval in 1843, and William Muir in the 1860's right down to Montgomery Watt in 1977, the European scholars on Islam have expressed no doubts on the veracity of this tradition. Caetani, an Italian, has cast his chronology of all Islamic history on his *Annals*² covering ten volumes on the basis of Perceval's thesis that the pagan Arabs, not aware of the astronomical basis of intercalation followed by their neighbouring Jews, had been stupid enough to go on intercalating a thirteenth month not when needed, but regularly every third year over more than two centuries.³ No European scholar, at least as far as I have been able to ascertain, has ever cast a doubt on this audacious assumption.

82. When renowned scholars of enlightened and science-oriented Europe could have been so credulous, what wonder that Shabli, from Victorian India, should have based his entire *Sirat an-Nabi* blindly on the findings of Perceval?

83. And yet it must in honesty be admitted that these European scholars of Islam are not the only ones who have been misled astray. If the early Muslim historians, the Ibn Ishraqs, the Wakihs, the Ibn Hishams of the early Abbaside days who are now to be wanted for their failure to rid Islam of this sphinx-like mystery, had not accepted Islamic chronology even in those early days.

84. It is obvious that they worked under great limitations. The most serious and compelling handicap on their minds was the very inductive method according to which the Prophet's statement had to be based on the statement of some people. They were strangers to the inductive method of science in which solid and circumstantial evidence could find at least tentative acceptance. This limitation has hampered Islamic scholarship ever since those early times.

85. A simple explanation is that in *Rama'zan*, in which the Prophet received his first revelation, the moon-moath was concurrent with the Jewish month of Sivan. In 610 B.C. this moon-moath had corresponded with the period between Friday 29th May and Sunday 27th June, when Arab summer was at its height, and resort to a hillside was the only means of escape from the suffocating valley in which Mecca lies with hills rising all round it.

86. The nights in Mecca at least on the surrounding hillsides are cool and pleasant even during the hottest part of the year and it was

this vision, this realization, this enlightenment to all people—to Jews and Gentiles, Christians and Pagans, yes, to all mankind. Thenceforth, all his thoughts, all his efforts and endeavours would be governed by **this one realization**.

46. Where was he to begin? He rushes to his faithful partner in life Khadija. She becomes the first Muslim, he was the first man, she became the first woman to submit her ego implicitly to the will of the Almighty, the One and the Only. Later, he is directed to invite the members of the Quraysh, his own clan, and those with whom he identifies himself (Sura *An'ām* 6: 214). He meets a mixed reaction. Some laugh at him outright. Others observe non-committal silence.

D. Seasonal Placement of the *Bī'thah*

47. This first call to Prophethood which we have just discussed is known as the *Bī'thah* and constitutes the point of take-off in the history of Islam. Let us examine it a little closely.

48. We claim that other religions belong to periods of which we know very little, that the scarcity of factual knowledge in these cases lends itself to legends and naturalistic hypotheses. We claim that the inspirations of Islam are corroborated not by its conformity to the laws of Nature and the records of history. We take pride in the minute details with which the life and mission of our Prophet is recorded in the *Ḥadīth* and *Sīrah* literature. In the light of all this, would it be impertinent or irrelevant to ask, What was the season of the season when Muhammad was blessed with his first revelation in the exact seasonal setting of his environment, the nature of the night during which he was, so to say, honoured with the mantle of Prophethood?

49. No one was able to enlighten me when, way back in 1944, I put this question in writing to several savants of Islam well-known all over India. No one could help me. After two years of intense search I found access to a volume in the *Bibliothèque Asiatique* of Paris wherein a footnote to an article by P. Petit published more than a hundred years ago in 1843, offered the following information:

"the mission of Muhammad commenced in the month of Ramadan—23rd December 610 A. D."

50. Strange conclusion indeed! The month of Ramadan signifies a period of intense heat; and yet, this month of intense heat corresponded exactly with the Winter Solstice! Stranger still, a sagacious

perfect. One of the most important of these is the fact that
 the system is not a simple one. It is a complex one, and it is
 not a simple one. It is a complex one, and it is not a simple one.

42 The authors have searched for an answer to this ever-present question by performing over the one-day period of I_{radio} and M_{bol} and \dot{I}_{radio} must have induced a heating of the hot-surface material, the velocity spread of the electrons in the magnetosphere is reduced, the electron must capture a photon and a neutrino is

23. But, having said this, we are left with the question of how to proceed. The answer is that we must not let the fact that we have a problem with the current system lead us to believe that we should not try to improve it. We must not let the fact that we have a problem with the current system lead us to believe that we should not try to improve it.

How could he command the power of darkness? What could have proved for him? Where was he? And the more we thought of him, the more we transformed him, from a man into a god, a god of fear and fear (Sara, *Alice's Journal*, 3-4).

4. The struggle between an inner and an outer world has come down to us in different forms and has been interpreted in different directions, as the case of the *Walden* meditation alone can be demonstrated. It has struck that note I have been. In the introduction to *Saint George's Night*, describing the Night of Glory, we read :

Verily, We had bestowed it
in the Night of Glory
The Night of Glory more gracious
than a thousand moons
When angelic revelations
waft down by the Glory
of their Lord
In every way 'tis full of peace
until the spreading
of the DAWN !

48. That preaching at the Lyceum was an all-way to all peoples thing, a thing for the One and the One for all was the experience of a remarkable presence. **It was the realization of this Oneness,** encompassed by the universal subject all thought and speech and action to this realization, the hope and salvation of man! And that it was he, Jesus Christ, the One and the One, the glorious vision with such a vision. It was now his day to

proximity to this central Citadel, the holy Sanctuary around which thousands gathered each spring and each autumn, to garner what knowledge and guidance they could get, and acquire, through sale and barter, what necessities they could procure for their subsistence.

37 By and large, new ideas were conceived only through word of mouth emanating from this central source. And for this to be effective the word of mouth had to be clothed in the language of poetry—images that had tendrils which cling to the mind, passages that had mnemonic values which made them unforgettable. It was this necessity that had developed the linguistic effectiveness of the Arab culture and had endowed social values to excellence in verbal expression.

C The Prophet Is Ordained

38 It was in this milieu that Muhammad was born, in about the year 570 of the Julian Calendar—the year known to the Muslims as the Year of the elephant. This was a year in which Mecca had received a great shock but had been saved from conquest and ruin by a miracle through what seemed to be a miracle worked. Abraham's house had approached Mecca to destroy the Sacred Temple, the Kaaba, but a flock of angels had intervened to prevent this without a real Muslim presence there and had been frustrated, and the portentous holder of the secret had appeared in the midst of a storm.

39 As a child, the Prophet-to-be must have heard mention of this miraculous event, and the legends that had grown around it, in awe and with wide open eyes. Did he, at this tender age, resolve to make the Kaaba impregnable when he grew up?

40 Perhaps, but what we do know with certainty is that in his youth he had joined, and later, perhaps led, a sort of 'eagles' band' to succour and aid the weak, the needy and the unprotected during the two annual Spring and Autumn pilgrimages to the Holy Sanctuary. History also records how, by mobilizing the representatives of the several tribes who possessed special rights over the holy shrine, he had raised a tribally elected council and placed it shoulder high in a wall of the Kaaba when it was being reconstructed.

41 A diligent, fatal young man who had already earned the title of *al-amin*—the Trustworthy, one who had had experience in trade both before and after his marriage to Khadija—a widow in prosperous circumstances—he had been chiselled by Divinity for the mantle of pro-

33. Apart from this intermittent influence, they were essentially the enemies of the movement. Outside the few towns like Mecca, Medina and Ta'if, they were the dominant part of the desert community. The Arabs were ever ready for battle to avenge the blood of slain. The Arabs possessed the most important spectacle of the past and ever will be so. The date palm shed its red seed for them, its fruit was their life. Wealth was reckoned in terms of the number of camels, of date palms which a clan possessed. They were the fierce, headstrong, nomadic, barely and immortal of the narrow, harsh desert. A father and free with wife and women who freedom from him for a slave of them. The influence of their culture was petty.

34. What made change, restraint and circumspection difficult and impossible was their idolatry. The worship of numerous local deities, always tending to splinter them into groups and counteracting the institutions made to fuse them into a well knit Islamic community. Years before his call to prophethood, Muhammad, through his concern for his fellow beings and his lonely meditations, had clearly perceived this weakness among his people, the curse inherent in idolatry.

35. But human groups, or the collective egos that were born in the from its preceding generations, become conscious of what they called the religions of different peoples and the laws that they had made. They were averse to changing their habits, customs or actions. Even today most of us are apt to meet a change and to come with the old retort: "We shall do things as they have been done to the way of our fathers." *Qur'an* 2: 176. But in a different context. Fourteen hundred years ago, the Arabs were not ready to change for their own good, they were ready to embrace the possibility of change for the better, but they were more difficult to overcome.

36. Yes, it was for the change that the Arabs were who recognised the Messenger having come to them. The Prophet Muhammad had come. The Messenger, the Arabs called him. He was called and he was. As he came to his advent, it should also be remembered that, in spite of the tribal moves and motions mentioned earlier, Arab Arabia was governed by no central Authority. In those remote, primitive times and in a region where people were scattered far and wide there was no written code of law, no military, no police, no legal system, not even petty kings to command obedience. The Kaaba alone was their emblem of authority. There were only elders of the nomadic tribes who derived their prestige according to their respective

Now, logically, an intercalary *Nasi* should come between two years, therefore, its right place would be between the third and fourth of the sacred months mentioned above. But it is just this logical placement that raised a thorny question. Would this month of *Nasi*, intervening between two sacred months be itself inviolable or otherwise? If it was regarded as inviolable the number of inviolable months would either be raised to five, or, the *Muharram* following that inviolable *Nasi* would be deprived of its inviolability. If it was not inviolable itself, not open to violence would break the continuity of a sacred period.

30 To deal with such recurring dilemmas, the *Qa'annas* was given the choice of declaring the intercalary *Nasi* either to intervene between *Dhu'l Hajj* and *Muharram*, or to follow *Muharram*, that is for the *Nasi* to come *after* the three months of inviolability. This attitude enjoyed by the *Qa'annas* provided him with a cultural weapon which he could wield in the favour of one tribe or another according to his own interests.

31 The reference to this latitude entrusted to the *Qa'annas* is found in *Sura Bara'ah* (9: 37) in the laconic style of the *Qur'an*.
Yar duhanu 'amman wa yuharrimuhu 'amman

“One year they announce it
 (the month following *Dhu'l Hajj*)
 as “secular” another year as “sacred”
 in order that they may conform to the
 prescribed number of the holy months,
 they sometimes make profane
 what Allah hath made holy!

Appear to them as virtuous
 the evil of their ways.
 It is not Allah that doth guide
 these infidels. . .

32 It was this weak and fragile link that over and over again broke asunder. It was the uncertainty as to whether pillage of the pilgrims returning from the *Hajj al Akbar* of the month of *Dhu'l Hajj* was permissible or not. This ambiguity whether to unsheath or not dare to unsheath the sword led to violence and bloodshed. All that was needed to justify this was some real or imaginary infringement of some tribal custom or taboo. In brief, the intercalary *Nasi* was both a blessing which kept the tribes together as well as a curse which often made the hasty and the impetuous to shed each other's blood, almost as if in play.

months of Muharram and Mubarram. It was only in this century that the intercalation of the months of the lunar calendar was introduced into the Islamic calendar. It was, however, the result of the concurrence of the lunar and solar calendars, and not of the following concurrences:

1. Muharram	=	Thari	=	Kartika	=	Sept-Oct
2. Rajab	=	Nisan	=	Vishak	=	Mar-Apr
3. Ramaḍan	=	Savan	=	Āṣāḍī	=	Apr-May
4. Dhu'l Hajj	=	Elul	=	Aswin	=	Aug-Sep

24. These parallels were, however, that the intercalation of the thirteenth sacred month was by no means peculiar to the pattern peculiar to the pre-Islamic Arab and the Jews. In fact it was and continued to be a universal practice based on the relative movements of the sun and the moon, and seemed to mankind to adopt throughout the East and the West, until the duration of the solar year was established in Egypt by the annual flooding of the Nile.

25. Whether this evidence was enough to show that the Islamic calendar was the inheritance of the Arabs themselves, however, is another matter. The fact remains that the Islamic calendar was the result of the intercalation of the thirteenth sacred month, a practice which was common to all the peoples of the East, even before the advent of Islam. It was only the pre-Islamic Arab and the Jews, living between these two great realms that had to combine to reverse the calendar based on the moon but kept to the solar year by the use of intercalation. All these four elements of the Islamic calendar interrelated with each other, and constituted a mechanism which functioned smoothly in spite of human weaknesses. A culture founded by such primitive advanced institutions of social control could not have been as barbarous and inhuman as our time has made of them.

26. There was, however, one final link in this cultural chain that bound the Arab tribes into a society. Paradoxically, this was the link that joined the third and the fourth cultural patterns which we have just mentioned: (a) the four sacred months, and (b) the intercalary *Nahr*.

27. The four sacred months, as already mentioned, consisted of

1. **Rajab**, oscillating over March-April;
2. *Dhu'l Qa'd*, July-August;
3. *Dhu'l Hijja*, Aug-Sept. the last month of the expiring year, and
4. *Mubarram*, Sep-Oct. the first month of the new year.

23. A third basic form of social control is a seasonal form of mobility. In *Sara Bahādā* (222 and 234) and in *Sara Parādā* (92) we observed the ancient custom but generally observed that the nomads would move during one month of spring and three months of summer, the periods of which the climate must conducive to carrying their herds and their families. In case of intensely hot weather, some of the nomads and their flocks of water there was relatively the mobility during the months of both these seasons of extreme heat, and the time of migration continued six months. The imposition of mobility over the rest of the remaining six months of mobility was an effective control over the impulsive and impetuous nature of the desert. As for the *Ḥarā* of the *Sara Ba'ā'ah* (9-3 and 48) among these nomads, the tribes against peaceful habitations were infrequent. *Sara Bahādā* No. 100 and armed retaliation was in many times a tribal duty. But even if a man were to be faced with his own father's murderer, he did not dare to breathe his sword if he was a warrior, or to take during the four Sacred Months (the *Ḥaram al-Haram*). The nomads of every locality of this period of mobility carried their herds and flocks of *Ra'dā* to spring and the three months of the month of *Ḥaram al-Haram* and *Muharram* of the autumn.

24. The nomads' calendar system controlling the seasonal mobility was of interest to the nomads in the calendar *Nasi* for the purposes of preparing their monthly calendar abreast with the solar cycle which controls the human and vegetable life on earth. This adjusting process everywhere and at all times, was too intricate a phenomenon for the majority of the people of any community to understand. During pre-Islamic and early Islamic times only the hereditary heads of the *Qa'arima* families based in Mecca, were adepts in this reckoning. Every second or third year as dictated by the relative movements of the planets, it was when the 1st of *Muharram* their New Year, was about 14 days more than a month before the corresponding season of the year of the *Qa'arima* family announced, at the end of the August lunar month beginning of the next *Muharram* would be the 1st of the year. The month of a moon-month designated as *Nasi*—following the current *Dhu'l Ḥajj*.

25. So close as it was to the already unknown to historians of Islam that this lunar interaction of the adjusting thirteenth month of *Nasi* between *Dhu'l Ḥajj* (the last month of their year) and *Muharram* (the first month of their next year), every time preceded a similar interaction observed by the Jews between their last and first

Year commencing with the new moon of *Muharram*.

20. Also at the time of the vernal equinox (21st March) there gathered the Minor Assembly, the *Hajj al-'Aqad*, which was related to neither pilgrimage but connected more or less with the *Pascha* of the Jews, the *Easter* of the Christians, the *Nav-Roz* of Iran and the *Holi* of India.

21. The second feature of the caravans was the movement of their trade caravans between the two above-mentioned religious-commercial assemblies. After the *Hajj al-'Aqad* in August, a trade caravan made a tour to the south during winter and returned in time for the *Hajj al-'Aqad* in Spring. After this Minor Assembly in spring, another trade caravan made a tour to the north in summer and returned in time before the autumn equinox for the *Hajj al-'Aqad*. These two seasonal caravans carried the Qatari, the caravan-poles of Mecca, to most of the trade centres lying within reach of the means of travel then available—to Yemen and even Abyssinia, as far as to Aden, Sana and Damascus, even Constantinople and perhaps Ctesiphon in the north. Both caravans enriched the merchants of Mecca, the custodians of the Ancient Sanctuary, the *Bait al-'Atiq*.

22. The Qur'an itself is witness to my above statements. Chronologically, over a century, Surah, entitled *Qur'ash* (No. 106) was a benediction to them at this leading clan of pre-Islamic Arabia, for their adjustment of their economic life with the seasons of the year, the *shat' al-ash shat'* (autumn) caravans of winter, the summer, and the *shat'* (the treaties they had entered into with the kings of the north and the south for the guarantee of safety of their caravans) and the *shat'* (the summer) caravans. This Surah ends with the words *la tarhamun min ha' al-umam min kadhib*, 'do not be merciful to the nations of falsehood' and 'do not show immunity from violence'. In other words, the people of Mecca, the custodians of the Sanctuary, were to be as merciful to others as the production of their own goods was benefited by the trade of the caravans brought to them from all parts of the region and the tribute levied on the goods and persons passing through their territory. It was this latter during the two months of March and April respectively. In addition to this, the caravan of the *Hajj al-'Aqad* provided them protection of their property. It was this sort of functioning to provide security, the synchronisation between the seasons of nature and the cycles of commerce, this inter-trading understanding for peaceful co-existence and symbiosis that had contributed so much to the prestige of the Qatari as the guardians of the *Haram*, the sacred sanctuary of Allah, the Deity Supreme, symbolized in the *Ka'ba*.

that in the course of these three evenings we shall see, as in a detective story, the gradual disentangling of a knot in the thread of time that has confused the academic sleuths for a millennium.

14. With this aim clearly in view we shall begin with a review of the cultural background in which commences the chronology of Islam.

B. The Foundations of Pre-Islamic Culture

15. Every writer mentions the early Islamic history—even non-Muslims who generally omit the name of the Muslim sources—span the period immediately preceding the advent of Islam as inordinately dark. At most, the poetic fancies of the pagan Arabs are sometimes given recognition.

16. This somewhat biased treatment of pre-Islamic times veils the cultural background of the *Shari'ah* itself. It is this gap in history—a sudden change from the unrelieved black to the pure white—that leaves for later generations the grey perspective in which the advent of Islam **needs to be viewed.**

17. The first step in reconstructing Islamic chronology, therefore, is to establish the fact that there were undoubtedly some aspects of pre-Islamic life and institutions of social control, which so to say, regulated the construction and oiled the cogwheels of social existence. We are unaware of them because, despite some of them having continued to exist throughout the lifetime of the Prophet, they, as we shall see, were swept into oblivion immediately after his demise, no vestige of them remaining even in Muslim memory.

18. The most outstanding, and almost deliberately effaced, feature of the pre-Islamic pagan culture was its close synchronization with the lunar calendar. The new year began with the new moon of *Muharram* and the old year ended with the new moon of *Tishri* in the old Jewish calendar. The new year in the region of *Kartik* in India also commenced more or less at the same time, namely, 22nd September of the Julian calendar.

19. The pre-Islamic festival known as *Dhaul-Hajj* commenced with the first New Moon of the Islamic year. The Festival Night so laconically presented in the opening chapter of the *Sahih al-Bukhari* (No. 79). Every year in Arabia the Hajj culminated with the performance of the *Hajj al-Akbar* for which thousands assembled in Mecca from far and near. This pre-Islamic festival coincided with the *Dussehra* in both time and features; as in India, it was also followed twenty days later by the New

minating the Umayyads. Obviously, these accounts present the early history of Islam as the historians under the Abbasids saw it, period, even if they wanted posterity to see it. Must we accept what they have said as final and undiminished? Is there no alternative to us but to see events in *their* particular perspective? Suppose we are confronted with anomalies and contradictions, cannot we then turn them at squarably in other chronological brackets of knowledge, and then in correcting their perspective of a past which was a part to them also?

6. Such being the condition of history, that cannot be given as correct always, be trusted by itself, support for a past we cannot turn our backs on, must be sought for in a second source of knowledge, geography and cosmic coordinates, histories, geographies, and there can help to promote history. The more such sources are used and are made use of, the more accurate and trustworthy will be our history, more and more clear will the images of the past become.

7. To illustrate still more clearly what I mean, let me here give an actual example of how such history and such perspective would seem to have affected the calendar, the first impression which we tend to take as unchangeable truths. I remember now knows that this is the 197th year of what has come to be known as the 'Christian era'. Naturally, he knows also that it is the 60th year of the Islamic calendar, and that it is the 4th year of the Jewish calendar. But the calendar which has taken a kind of step higher in the evolution of civilization, and opened new vistas for man's development, offering us a way should this calendar be called 'Christian'?

8. It is only by thoroughgoing analysis when reviewing the history of a later civilization at a later stage, can arrive at the conclusion that what the messiah of love and compassion brought by Jesus certainly was, a milestone in the history of the human race, it was a path to Julius Caesar, to whom we are indebted for his having introduced the purely solar calendar which gradually emancipated the nations of Europe from the vagaries of the moon-based calendars and provided a unit of time measurement by which human activity could be better synchronized with the seasons of our terrestrial sphere.

9. Jesus, or Christianity, had nothing whatsoever to do with its advent. On the contrary we find that in spite of this, an emperor it was the Christian church that had, more than a millennium later, persecuted Copernicus (d. 1543) and Galileo (d. 1642) for their theories on the relative place of the earth in relation to that of the sun.

LECTURE I

From Jahiliya to Hijrah

A. Introduction The Limitations of History

1. History is essentially an evaluation of the past in the light of the present as the light of the present changes, becomes bright or dim, the image of the past too changes with it.

2. Let me tell you a story that will illustrate to you the underlying theme of these lectures. A famous comedian was visiting his old college when the students happened to be answering their examination papers in history. He picked up a question paper and beamed at the students. "Exactly the same questions as had been set to me twenty years ago!" he exclaimed. "Even now I could get a first class!" "Yes," said the Principal who was taking the paper, "but from time to time we expect different answers."

You see that I mean? History is not a thing which is set for time. A particularly poignant experience illustrating this, came to me at a lecture once made even a prosaic like me burst into tears.

کد راگ کسی کا گاتی تھی، کد راگ کسی کا گائیکی
تاریخ بدلتی آئی ہے، تاریخ بدلتی جائیکی

3. Of course such anecdotes, like all others, exaggerate the points that want to emphasize. So, if you are students or professors of history, amongst you, let me assure you that I am as much aware of the indispensability of history as of its weaknesses.

4. If you have read several volumes of the early history of Islam, you will appreciate the validity of the above remarks. The stories have been compiled, say, in the lifetime of the Prophet himself, and even till extent they were given us a very different image of that formative period. As it happens, we have only the accounts left to us by Ibn Ishaq, Waki'ah, Ibn Hishām and Ibn Sa'd, all compilers of the late second century when more than a hundred years had intervened and the Abbasides were consolidating themselves after eli-

Khuda Bakhsh Annual Lectures, 1977

*Khuda Bakhsh Annual Lectures
are delivered every year
by some eminent scholar of
Persian, Arabic or Islamic
Studies.*

*Mr. Qasim Ahlul Wadood,
Dr. Md. Zubair Siddiqui,
Prof. A. A. A. Fyzee,
Dr. Nazir Ahmad,
Dr. S. A. H. Abidi and
Dr. S. H. Askari
were the forerunners
in the series to which
Dr. Hashim Amir Ali
contributed in 1977.*

Upstream Downstream Reconstruction of Islamic Chronology

By
Dr. Hashem Ammari
Beirut, Lebanon

Our Contributors . . .

Prof. Kalimuddin Ahmad, B.A. (Cantab.) (b. 1900)
Sri Krishnapur, Panna, 3 (see pp. 71-2 for a sketch)

Dr. Hashim Amir Ali, M.A., Ph.D., Hyderabad (b. 1903)
Ex-Director Rural Institute Jamia Millia, Delhi; Trustee of the
Private and Religious Trusts of Nozani
Wrote several books on the *Qur'an* and sociological theme
among them *Student's Qur'an*, 4: *Introduction, The message
of the Qur'an, Meas of Mawar*. His life-work, almost his mission,
is the discovery of the *Lost Islamic Calendar*

Mr. Munammad Yunus Khalidi
Secretary, Azad Memorial Academy, Basha Far, Nat. Park,
Lucknow.

For others, see *Journal I*.

CONTENTS

Reconstruction of Islamic Chronology : Upstream Downstream	... 1
—Dr. Hashim Amir Ali	
My Criticism : A Retrospect (Urdu)	... 1
—Prof. Kalimuddin Ahmad	
An Early Urdu Journal, <i>Adeeb</i> of Firozabad (Urdu)	... 73
—Dr. A. R. Bedar	
Notes & Addenda : Regarding Maulana Azad's Letter (Urdu)	... 103
—Mr. Md. Yunus Khalidi	
Corrections & Additions : Library Catalogue Vol. I/151 <i>Diwan of Hafiz</i> (Urdu)	... 104
—Mr. Q. A. Wadood (Bar-at-Law)	
Review : <i>Farhang-i-Asafiyah-3</i> (Urdu)	... 105
—Mr. Q. A. Wadood (Bar-at-Law)	
Autograph Impressions—Leaves from the Visitors' Register of the Library : Sir C. V. Raman (Scientist), Sir J. C. Bose (Scientist), R. E. Mortimer Wheeler (Archaeologist) and Sir John Simon (Chairman Simon Commission)	... 113

Editorial Committee :

Mr. Q. A. Wadood, Bar-at-law (*Chairman*)

Dr. S. H. Askari

Mr. A. F. Haider

Dr. A. R. Bedar (*Secretary*)

1. The Khuda Bakhsh Library Journal is a quarterly journal specialising in oriental studies in Arabic, Persian and Urdu languages, covering meaningful research based on the material preserved in the Khuda Bakhsh Oriental Public Library, or having any concern with it.
2. Articles will be accepted in English, Arabic, Persian and Urdu.
3. Notes and Addenda, by way of corrections and additions to any information published in this Journal or in any publication of the Library e.g. Catalogues, will be a regular feature of the Journal.

Rs. 15.00 per copy

Printers : Tara Press, Tripolia, Patna-7 & Label Litho Press, Patna-4

Publisher : Mahboob Husain, for Khuda Bakhsh O.P. Library, Patna.

Khuda Bakhsh Library

Journal

4

1978

**Khuda Bakhsh Oriental Public Library,
PATNA-800 004
(INDIA)**

Khuda Bakhsh Library

JOURNAL

No. 4

KHUDA BAKHSH ORIENTAL PUBLIC LIBRARY
Patna